مباحث کا تکرار و اعادہ بھی ہے، آخر میں کئی فہرستیں اور اسماء و اعلام کے اشاریے بھی دئے گئے ہیں،

شراب اور اس کا اسلامی موقف:۔ مرتبہ جناب حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت بہتر صفحات ۹۰ قیمت تین روپیے پچاس پیسے، پتہ (۱) گوہر بک ڈپو، ٹریپلیکین ہائی روڈ مدراس (۲) ہندوستان بک ڈپو، جامع مسجد ادھونی (آندھرا)

شراب ام الخبائث ہے، زیر نظر کتاب میں قرآن و حدیث کے نصوص سے اس کی حرمت واضح کی گئی ہے اور عیسائی مذہب کے رو سے بھی اسے قبیح بتایا گیا ہے، مصنف نے اسلام میں شراب کی حرمت کے احکام تبدریج نازل کئے جانے کی غرض و حکمت بھی بیان کی ہے اور اس کے طبی، اقتصادی اور معاشرتی نقصانات بھی تحریر کئے ہیں، اس سلسلہ میں مغربی مفکرین کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، اور ان لوگوں کا جواب دیا ہے جو اسے بطور دوا جائز کہتے اور حسن کا سامان سمجھتے ہیں، آخر میں اسلامی قانون میں شراب نوشی کی سزا کو بالکل مناسب اور موزوں ثابت کیا گیا ہے، یہ سنجیدہ اور مفید کتاب مطالعہ کے لائق ہے،

کاغذ کا شہر:۔ مرتبہ ڈاکٹر ساغر اعظمی، تقطیع متوسط، کاغذ عمدہ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۱۷۶ مجلد مع خوبصورت گرد پوش قیمت پندرہ روپیہ پتہ کمبائنڈ کلینک، فیض آباد روڈ، بارہ بنکی۔ یو۔ پی

ڈاکٹر ساغر اعظمی مشاعروں میں چمک دمک دکھانے کے بعد "کاغذ کا شہر" لیکر پہلی بار کتابی دنیا میں داخل ہوئے ہیں، ان کا شہر دفتی کے لوگوں سے معمور ہے، یہاں طمع کاری، اداکاری، فریب اور تصنع کا چلن ہے، کتمان حق، جرم کی پردہ پوشی، بے انصافی، سفاکی، بربریت اور اہل سیاست کی بازیگری عام ہے، مروت، شرافت، ہمدردی، خلوص اور حسن سیرت ناپید ہے، صبا کے دامن میں انگارے دھک رہے ہیں اور ٹھنڈی فضاؤں اور گھنیری چھاؤں میں بھی جسم، روح اور احساس جل رہا ہے، اس ماحول نے ساغر کی شاعری میں تلخی پیدا کر دی ہے لیکن غم دوراں کا مداوا غم جاناں کو سمجھے ہیں اسلئے حسن و عشق کے نغمے بھی گنگنائے ہیں، ان میں بعض اچھے شعر بھی ہیں مگر انکے مجموعہ میں سطحیت، ناہمواری اور حد سے بڑھی ہوئی شوخی و بیباکی کے علاوہ بعض اور خامیاں بھی ہیں، اگر وہ محنت، مطالعہ اور اپنی تربیت سے غافل نہ رہے تو عوامی مقبولیت کی طرح خواص کا مرکز توجہ بھی بن جائیں گے۔

"ض"

جلد ۱۲۷ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۸۱ء عدد ۲

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

معارف کی سالانہ قیمت میں اضافہ

کاغذ، کتابت، طباعت ہر چیز کی شدید گرانی کی وجہ سے معارف کا سالانہ زر اعانت جنوری ۱۹۸۱ء سے پندرہ روپیے کے بجائے بیس روپیہ کر دیا گیا ہے، خریداران معارف آئندہ خریداری کے لئے بیس روپے ارسال فرمائیں۔

شذرات

معارف کے تین گذشتہ شذرات میں مسلمان غداروں کا ذکر آیا ہے جن کو پڑھ کر ہمارے بعض ناظرین بددل اور رنجیدہ ہو گئے کہ کیا مسلمانوں میں غدار ہی غدار پیدا ہوتے رہے۔

دوسری قوموں میں اس قسم کے جو غدار پیدا ہوئے، ان کی بہیمانہ حرکتوں کی تفصیل پڑھ کر ہمارے ناظرین اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں جو کچھ ہوا اس کی دردناکی اور قوموں کے مقابلہ میں کم ہے، یونان کا نامور فرمانروا یعنی سکندر اعظم کا باپ فلپ ایک قاتل کے خنجر سے اجل کا شکار ہوا، سکندر اپنی فتوحات کی معرکہ آرائیوں کی ایک ولولہ انگیز داستان چھوڑ گیا ہے لیکن جب وہ مرا تو اس کے خود غرض اور مفاد پرست سپہ سالاروں نے اپنے زیر اثر ممالک پر خود مختار حکومتیں قائم کر لیں، جس کے بعد شدید خانہ جنگی میں اتنا خون بہا کہ سکندر کی سلطنت کھنڈروں میں تبدیل ہو گئی، اور ان ہی کے ملبوں پر مصر، شام اور مقدونیہ کی حکومتیں قائم ہوئیں۔

رومن امپائر پر یورپ کو فخر ہے، مگر وہاں کی غداریوں کی تاریخ اور بھی زیادہ ہولناک ہے، سیزر بہت بڑا فاتح گذرا ہے، اس کی سپہگری اور معرکہ آرائی مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہے، مگر روم کے سینیٹ نے اسکو دشمن ملک قرار دے کر اسکو اقتدار سے برطرف کرنے کی کوشش کی، اس کا حریف پومپی بن گیا، سیزر سے لڑا لیکن شکست کھا گیا، روم کے کمسن حکمران ٹولومی دواز دہم کے وزیروں نے اسکو ہلاک کر دیا، ٹولومی کی بہن کلوپیٹرا جلاوطن کر دی گئی تھی، لیکن وہ اپنے بھائی کے خلاف فوج جمع کر کے اس سے لڑنے پر آمادہ ہو گئی، سیزر نے اس کا ساتھ دیا، کلوپیٹرا کی چھوٹی بہن اپنے بھائی کے ساتھ مل کر ان دونوں سے لڑی، مگر انکے ہاتھوں گرفتار ہوئی، کمسن ٹولومی ہلاک کر دیا گیا، اسی کی لاش پر سیزر کی مدد سے کلوپیٹرا ملکہ بنائی گئی اسکے

خلاف بغاوت ہوئی تو سیزر نے قتل عام کرایا۔

سیزر نے افریقہ، پرووِنس، اندلس، ایشیائے کوچک، کارتھیج اور کورنتھ کو فتح کر کے رومن امپائر کو وسیع کر کے بڑی شہرت حاصل کی، لیکن اس کے سینیٹ کے کچھ اراکین نے اس سے غداری کر کے اسکو قتل کر دیا، جس کا سربراہ بروٹس تھا، مگر بروٹس کو اس کی غداری کی سزا اس طرح ملی کہ سیزر کا جانشین انٹونی ہوا، انٹونی کا حریف سیزر کے بھائی کا پوتا اوکٹی ویس بن گیا تو اسکے حامی سسرو نے انٹونی سے لڑ کر اس کو شکست دی لیکن غدار اوکٹی ویس نے اپنے محسن سسرو کو انٹونی کے حوالے کر دیا، جس نے اسکو بے رحمی سے ہلاک کر دیا۔

انٹونی نے کلوپیٹرا کو اپنی محبوبہ بنایا، وہ اوکٹی ویس کو بے دخل کرنا چاہتا تھا، لیکن اوکٹی ویس نے اپنی بہن سے اس کی شادی کر کے اپنی جان بچائی، انٹونی نے بعد میں اس کی بہن کو طلاق دیدی اور کلوپیٹرا سے شادی کر لی، جس کے بعد وہ رومن امپائر کا شہنشاہ اور کلوپیٹرا ملکہ بنی، مگر دونوں کے خلاف بغاوت ہوئی، باغیوں کی سرکشی بڑھی تو انٹونی اور کلوپیٹرا دونوں نے خودکشی کر لی،

اوکٹی ویس نے آگسٹس کے نام سے حکومت کی، اس کو کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، اس کی ایک لڑکی جولیا تھی جس کی شادی اگری پا سے ہوئی لیکن وہ جلد ہی وفات پا گیا، اس کے دو لڑکے تھے لیکن آگسٹس ان دونوں کو نظر انداز کر کے اپنی بیوی لیویا کے پہلے شوہر کے لڑکوں ٹائبریس اور ڈروس کی طرف مائل ہو گیا، ٹائبریس سے اس کی چہیتی بیوی کو طلاق دے کر اپنی بیوہ لڑکی جولیا سے شادی کرنے پر اصرار کیا، مگر اس نے انکار کیا، تو وہ جلاوطن کر دیا گیا، خود جولیا بدچلن ہو گئی تو باپ نے شرمندہ ہو کر اس کو بھی دربدر کر دیا۔

رومن امپائر کا ایک مشہور حکمران کلاڈی ایس ہوا ہے، اس کی بیوی جسالینا اس پر حاوی تھی، اسی کے ساتھ اپنے ایک عاشق سے ساز باز کر کے اس کو حکومت میں نمایاں جگہ دیدی، کلاڈی ایس نے

اسکو اسکے عاشق اور اسکے ساتھیوں کو مروا ڈالا، پھر اس نے ایک ایسی عورت سے شادی کی جس کے پہلے شوہر سے ایک لڑکا تھا، اس نے اسی لڑکے کی جانشینی کے لیے کوشش کی، جب اس میں ناکام رہی تو وہ کلاڈی ایس کی مقتول بیوہ میسالینا کے لڑکے کی نگران بن گئی، جس کے بعد اس نے کلاڈی ایس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

کلاڈی ایس کا جانشین نیرو ہوا جس کا ظلم ضرب المثل بنا ہوا ہے، اس نے کسی کو زہر دے کر مارا، اپنے حریفوں کو بے دریغ قتل کرایا، اپنی بیوی اوکٹاویہ کو طلاق دے کر موت کے گھاٹ اتارا، پھر اپنے ایک دوست کی بیوی سے شادی کی لیکن تین سال کے بعد اسکو اپنے پاؤں کی ٹھوکروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا، اسی زمانہ میں روم میں زبردست آگ لگی جس کا بڑا حصہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگیا، روم آگ کے شعلوں میں جل رہا تھا تو وہ بیٹھا بانسری بجا رہا تھا، روم کے لوگوں کو شبہ تھا کہ یہ آگ اسی نے لگوائی، وہ عیسائیوں کو آگ میں ڈال کر ہلاک کراتا، اسکے زمانہ میں برطانیہ اسی کے ماتحت تھا، اسکے ایک گورنر پولی نس اور اسکے کمسن رومن حکام نے ملکہ بوڈیکا کو کوڑے سے پٹوایا، اسکی لڑکی کی عصمت ریزی کی، بوڈیکا نے زہر کھا کر جان دیدی، نیرو کے ظلم وستم سے عاجز ہوکر لوگوں نے اسکو مار ڈالنے کی سازش کی تو اس نے قتل عام کا حکم دیا، ان پر قابو پاکر وہ اپنے کو تمام دنیا کا شہنشاہ تصور کرنے لگا لیکن لوگوں کی مخالفت اس سے بڑھی تو اس نے خود اپنے کو ہلاک کر لیا،

اس کے بعد گلبہ شہنشاہ ہوا، تو وہ مار ڈالا گیا، اس کا جانشین تو خدائی کا دعوی کر بیٹھا، اور جب ڈومیشین ان تخت پر بیٹھا تو اس نے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ اسکو اپنا دیوتا تسلیم کریں لیکن وہ قتل کیا گیا،

کارکلا حکمران ہوا، تو اس نے اپنے بھائی گیتا، اور اس کے حامیوں کو مروا ڈالا، لیکن پھر خود بھی ہلاک کیا گیا، اس طرح مورخین لکھتے ہیں کہ رومن امپائر کے بائیس ۲۲ حکمراں یکے بعد دیگرے قتل ہوتے رہے، عیسائی کہہ سکتے ہیں کہ رومن امپائر میں غداری کی یہ بربریت عیسائیت سے پہلے ہوتی رہی، مگر رومن امپائر کے عیسائی حکمرانوں میں کم غدار نہیں پیدا ہوتے رہے،

عیسائی حکمرانوں میں ہرکلیس نے تو اپنی سگی بھتیجی مارٹی نا سے شادی کرکے اپنا منہ کالا کیا، وہی اسکی موت کے بعد تخت کی مالکہ بنی لیکن عوام اس کے خلاف ہوگئے تو وہ تخت چھوڑ کر گوشہ نشین ہوگئی، اس کا سوتیلا لڑکا کونس ٹن ٹائین تخت پر بیٹھا تو مارٹی نا نے اس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا، مارٹی نا کا جرم ثابت ہوا تو اس کو عبرت ناک سزا اس کی زبان کاٹ کر دی گئی، اس کے حامیوں کی ناکیں کاٹ ڈالی گئیں،

کونس ٹینس تخت پر بیٹھا تو اس سے ایسی ناراضگی بڑھی کہ اسکو اسکے ایک گھریلو ملازم کے ذریعے مروا ڈالا گیا، اس کے بعد کونس ٹین ٹائین دوم کی حکومت شروع ہوئی تو اس نے ایک پادری کی موجودگی میں اپنے دو بھائیوں کی ناکیں کٹوا دیں، لیکن اس کا بھی برا حشر ہوا، اس سے لوگ خفا ہوئے تو اسکی ناک اور زبان دونوں کاٹ کر اس کو جلاوطن کر دیا گیا، پھر اس کے خاندان کے ایک ایک فرد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا،

اس خاندان کے بعد دوسرا خاندان آئی سورین کا چلا، اس کے ایک حکمران کونس ٹن ٹائین پنجم کے ظلم وستم کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اگر اس کے سامنے انسانوں کی ناکیں کاٹ کر ایک طشت میں پیش کی جاتیں تو وہ خوش ہوتا، وہ غیر عیسائیوں کی ایذا رسانی اور غارتگری کے لیے مشہور تھا،

اس کے بعد لیو چہارم تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنے پانچ سوتیلے بھائیوں میں سے ایک کی تو آنکھیں نکلوا لیں، اور چار کی زبانیں کٹوا دیں، اس کی بیوی آئرین سے اس کا اختلاف ہوا تو دونوں میں باضابطہ میدان جنگ میں معرکہ آرائی ہوئی، آخر میں لیو گرفتار ہوا، تو اس کی بیوی نے اس کو بے رحمی سے مروا ڈالا، جس کے بعد آئی سورین خاندان ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، آگے چل کر بعض حکمرانوں کی تاریخ اسی طرح ہولناک رہی اور پھر اس امپائر کے لوگوں میں مذہبی اختلافات بھی بڑھتے گئے، اے، جی گرانٹ نے اپنی تاریخ یورپ میں لکھا ہے کہ ان اختلافات سے مسیحی اپنے باہمی

جھگڑوں اور نزاعوں کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن اس طرح ہوگئے کہ اکثر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ مسیحیت کو چھوڑ کر بت پرستی ہی کو پھر زندہ کیا جائے، وہی بہتر ہے،

ساتویں صدی عیسوی میں مغربی یورپ کے سیاسی حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں کی جو اخلاقی حالت ایک دوسرے کی غداری کی وجہ سے ہوگئی تھی، اس کی مرقع آرائی لیکی نے اپنی کتاب ہسٹری اف دی یوروپین مورلس جلد دوم میں لکھا ہے کہ معاشرتی زندگی میں ایک عجیب بدنظمی اور طوائف الملوکی جاری تھی، ظلم و جبر، مکر و فریب، آوارگی و اوباشی کی وہ گرم بازاری تھی کہ آدمی ان کی داستانیں پڑھتے پڑھتے اکتا جاتا ہے، ملکہ فریڈ گونڈ، اور ملکہ برونہاٹ کا نمبر اپنی خون آشامیوں اور ہوسناکیوں کے لحاظ سے ایک سے ایک بڑھا ہوا تھا، یہ دونوں تو ملکہ تھیں جو چاہتیں کرتیں، ان کے علاوہ ہر طبقہ فسق و فجور اور سیہ کاری میں مبتلا تھا، بعض پادری شراب پی کر اس قدر بدمست اور مخمور ہوجاتے، کہ ان کا کھڑا ہونا مشکل ہوجاتا، ایک پادری نے ایک بار اپنے کسی ماتحت کی جائداد پر دست برد کرنے کی کوشش کی، جب اس کی طرف سے مزاحمت ہوئی تو اسے زندہ دفن کرادیا، بڑے سے بڑے ظالم و سیہ کار تاجداروں کے مصاحبین و حواریین اسی قسم کے پادری ہوتے تھے، ملکہ فریڈی گونڈ کے، راز دار ایسے پادری تھے، جن کے ذریعہ سے وہ ہر طرح کی سفاکیوں کا ارتکاب کرتی تھی، مشہور پاپائے اعظم سینٹ گریگوری کا زیادہ تر وقت ملکہ برونہاٹ کی خوشامد میں گذرتا، شاہ گونڈی بالڈ نے اپنے بیٹوں کو قتل کر ڈالا تو پادری سنیٹ اویٹس نے اس قتل کو صحیح ثابت کرکے حکومت کی جڑ مضبوط کردی۔

لیکی مزید رقمطراز ہے کہ ان ہی پادریوں کو عہدے دئے جاتے جو حرص و ہوا اور عیش پرستی میں خاص شہرت رکھتے تھے، ان کی مذہبی مجالس میں مے نوشی ہوتی ان کا اپنے دشمنوں کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کردینا معمولی سی بات ہوگئی تھی۔ ہر جگہ ظلم شقاوت،

بدچلنی، اور سفاکی کے مناظر دیکھنے میں آتے، مخالفوں کے ہاتھ پاؤں یا ناک کان کاٹ ڈالنا ایک عام بات تھی، ہر بادشاہ کے لیے اپنے اعزہ کو قتل کرنا تو گویا لازمی تھا، ایک بادشاہ نے اپنے باغی بیٹے اپنی بہو اور اپنی پوتیوں کو اپنے سامنے زندہ جلوا دیا، ایک ملکہ نے اپنی بیٹی کو دریا میں غرق کردیا، اس ڈر سے کہ کہیں اس کے سوتیلے باپ کی طبیعت نہ اس پر آجائے، ایک اسقف زنا کرتے وقت مارا گیا، ایک شہزادی کی یہ تفریح تھی کہ وہ اپنے غلاموں کو آگ میں جلوایا کرتا تھا، اس نے اپنے دو غلاموں کو اس جرم میں زندہ دفن کردیا کہ انھوں نے اسکی اجازت کے بغیر شادیاں کرلی تھیں، ملکہ برونہاٹ جب اپنے حریف کلوٹر کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی تو اسکو طرح طرح اذیتیں دے کر ایک شریر گھوڑے کی دم میں باندھکر [illegible] دوڑا گیا، جس سے اسکی لاش کے پرخچے اڑ گئے،

آٹھویں صدی میں شارلیمین یورپ کا مشہور فرمانروا گذرا ہے، اس کے کارناموں کی دھوم ہے مگر اسکی خانگی زندگی بہت ہی داغدار رہی، اس نے نو بیویاں رکھ چھوڑی تھیں، اس کے خلاف بغاوت ہوئی تو اس نے چار ہزار افراد کو بڑی بے رحمی سے تہ تیغ کردیا، وہ مسیحیت کی اشاعت میں بڑی سختی اور عدم رواداری سے کام لیا کرتا تھا، اس نے اپنی سلطنت کو بڑی وسعت دی تھی، مگر اس کے پوتوں میں ایسی خونریز رقابت پیدا ہوئی کہ اس سلطنت کے حصے بخرے ہوگئے، جرمنی کا مشہور حکمراں فریڈرک دوم اپنے معاصر پوپ کی مدد سے تخت پر بیٹھا، مگر پھر دونوں ایک دوسرے کے ایسے دشمن ہوگئے کہ پوپ نے متعدد فرامین میں شہنشاہ کو کافر اور ملحد قرار دے کر اعلان کیا کہ وہ حضرت موسیٰؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت مسیحؑ کو کذاب اعظم کہا کرتا ہے، فریڈرک اس کی تردید یہ کہہ کر کرتا کہ وہ کلیسا سے برسر پیکار نہیں بلکہ اہل کلیسا کی عیاشی، بداعمالی، گندگی، خبث نفس، حرص اور لوٹ مار کا دشمن ہے،

سولہویں صدی میں روس کا حکمراں آئیوان اپنی وحشیانہ سفاکی اور بے رحمی کی وجہ سے آئیوان دی ٹیریبل یعنی مہیب کے نام سے مشہور تھا، اسکو شہروں کو تباہ کرنے مرد عورت اور بچوں کو اذیت دینے میں خاص لطف آتا تھا،

اسی ملک کا فرمانروا ہیرا اپنے کارناموں کی وجہ سے ہیرا اعظم کہلایا، مگر اس نے اپنے ایک سو باغی محافظین کو طرح طرح کی اذیت دے کر قتل کرایا، اپنے بیٹے کو بے رحمی سے تہ تیغ کر کے اور اسی طرح کے اور ہولناک واقعات کا مرتکب ہو کر اس نے آئیوان ہیب کی یاد تازہ کر دی،

اسی سولہویں صدی میں فرانس کے حکمران چارلس نہم اور اسکی ملکہ کیتھرائین نے مل کر سینٹ بارتھلومیو کے موقع پر دس ہزار پروٹسٹنٹ کو قتل کرا دیا تو کیتھولک فرقے نے خوشی کے شادیانے بجائے، فرانس کے بادشاہ لوئی پانزدہم کے زمانہ میں ژان سینی تحریک مذہبی اور سیاسی حکام کے خلاف چلی تو انکو کچلنے کے لئے ہر طرح کے مظالم ڈھائے گئے، والٹیر نے آزردہ ہو کر مذہبی عقیدوں کی مخالفت اپنی پرزور تحریروں سے کی، روسو نے معاہدہ عمرانی لکھ کر یہ ترویج کی کہ حکومت کو قائم کرنے اور الٹ دینے کا حق صرف عوام کو حاصل ہے، ان تحریکوں سے اٹھارہویں صدی کے آخر میں فرانس میں بڑا انقلاب آیا، لوئی شانزدہم اور اسکی ملکہ میری انتوانت کو دار پر چڑھا دیا گیا جیکوبن برسر اقتدار ہوئے تو اپنے مخالفین کو چن چن کر گلوٹین کے ذریعہ قتل کرایا۔

اگر اور تفصیلات بیان کی جائیں تو اس قسم کے واقعات کی ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے، مگر اس سرسری خاکہ سے بھی ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ غداری کی کون ایسی قسم ہے جو دیکھنے میں نہیں آئی، سنیٹ اور پارلیمنٹ کے اراکین اپنے جلیل القدر فاتحوں اور حکمرانوں، راعی اپنی رعایا، رعایا اپنے راعی، باپ اپنے بیٹے، بیٹے اپنے باپ، بیوی اپنے شوہر، شوہر اپنی بیوی، ماں اپنی بیٹی، بیٹی اپنی ماں، بھائی اپنی بہن، بہن اپنے بھائی، پادری اپنے بادشاہ، بادشاہ اپنے پوپ، اور پوپ اپنے بادشاہ، اور خود عام لوگ اخلاق اور انسانیت سے غداری کرتے رہے، اور انھوں نے جن بہیمانہ اور وحشیانہ حرکتوں کا ثبوت دیا، اس کے مقابلہ میں مسلمان غداروں کی ہولناکیاں ماند پڑ جاتی ہیں، مگر اس سے انکی غداریوں پر پانی نہیں پھیرا جا سکتا ہے، غداری پھر بھی غداری ہے، مسلمان خیر امت قرار دئے گئے ہیں، ان کے کردار کا نمونہ ہر شعبہ زندگی میں اعلیٰ ہونا چاہیئے، وہ تو قیصر و کسریٰ کی روایات کو ختم کر کے اخلاق اور انسانیت کو سنوارنے کے لیے دنیا میں مامور کئے گئے تھے۔

مقالات

شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کے مجموعۂ ملفوظات اسرار الاولیاء کا مطالعہ

از۔ جناب مولانا اخلاق حسین دہلوی

(۴)

روایت ۱۳ حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا امام ابو یوسف (قاضی) کی روایت کے مطابق طاقیہ (کلاہ) دو طرح کا ہوتا ہے، (۱) لاطیہ (۲) ناشرہ، لاطیہ سر سے ملا ہوا ہوتا ہے، اور ناشرہ کسی قدر سر سے ابھرا ہوا ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلاہ لاطیہ اکثر استعمال کیا ہے، اور کلاہ ناشرہ کم استعمال کیا ہے، کلاہ ناشرہ سیاہ رنگ کا ہوتا ہے، بعض مشائخ نے بھی کلاہ ناشرہ استعمال کیا ہے، (اسرار الاولیار ص ۶۳)

حضرت باباصاحبؒ کے اس مبارک بیان سے کلاہ کی نوعیت واضح ہو گئی کہ کلاہ ترکی جو صوفیہ میں مروج ہے، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہے اور سنت کا مرتبہ رکھتا ہے، اسرائیلیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اسے دیو مالا کی کہانی سے تعبیر کرنا نہایت درجہ گستاخی اور کم علمی کی علامت ہے،

حضرت باباصاحبؒ نے تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو فرمائی ہے جو اسرار الاولیار کے اوراق کی زینت ہے، اور وہ یہ کہ اس کا شمار مشائخ کے لباس میں ہوتا ہے، یہ بھی تاثیر

وکیفیات سے مالا مال رہا ہے، اسے صوفیۂ کرام کے یونی فارم کا جزو تصور کرنا چاہیے، یہ نادر معلومات ہے، جس کی استناد حضرت باباصاحبؒ کے بیان سے صحیح و درست ہے، یہ ذکر فوائد الفواد ص ۱۳۰ میں بھی ہے،

روایت ۱۴ | حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا: ہمارے خواجگان کے نزدیک خرقہ کا تعلق حضرت رب العزت سے ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں خرقہ عطا ہوا، جسے خرقۂ معراج کہتے ہیں، اور یہ فرمان ہوا ہے کہ اپنے اصحاب میں سے اُسے عنایت فرمائیے، جو یہ کہے کہ میں پردہ پوشی پر عمل کروں گا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے تشریف لائے تو اصحاب کرامؓ سے دریافت کیا کہ اگر میں تمھیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کروگے، صحابہؓ نے جو مناسب سمجھا جواب دیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ میں پردہ پوشی سے کام لوں گا، مسلمانوں کے بلکہ جملہ بندگانِ خدا کے عیب چھپاؤں گا، چونکہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جواب حضرت حق تعالےٰ کے ارشاد کے مطابق تھا اسلیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرقۂ معراج سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عنایت فرمادیا۔ (اسرار الاولیا ص ۳۹)

حضرت باباصاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میرے پاس حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی یادگار ایک گلیم ہے، مجھے فرمانِ ربی یہ ہے کہ میں یہ گلیم علی بن ابی طالبؓ کو دیدوں تاکہ وہ میرے امتیوں کو پہنچا دیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاضر خدمت تھے، لہذا وہ گلیم آپ نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عنایت فرمادی، اس سے یہ واضح ہے کہ گلیم پوشی کا آغاز حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ سے ہے۔ (اسرار الاولیا ص ۴۵ - ۴۶)

خرقہ کہتے ہیں پیوند لگے کرتے کو اور گلیم کہتے ہیں کمبلی کو، جو زمانۂ قدیم سے انبیا علیہم السّلام اور صوفیۂ کرام کا لباس ہے، اور اس لباس صوفیہ کو خرقۂ معراجیہ اور گلیم براہیمی سے نسبت ہے،

لیکن خرقۂ معراجیہ کو اور گلیم ابراہیمی کو مادی لباس سمجھنا صحیح نہیں، بلکہ وہ لطیفۂ غیبی ہے، مادی نہیں ہے، خواجہ غلام فرید چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے،

" خرقۂ معراج ایک باطنی چیز ہے، اور رازِ خفی ہے، کپڑے اور اشیائے محسوسہ میں سے نہیں ہے .... خرقۂ معراجیہ ایک مخفی راز ہے، جو حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ہر اُس شخص کو ملا جو اس نعمت عظمیٰ کے لائق تھا، .... خرقۂ معراجیہ ایک قسم کی خصوصیت تھی جو ان بائیس ۲۲ حضرات کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئی، اس خصوصیت کو حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلیؒ اپنے ساتھ قبر میں لے گئے" (مقابیس المجالس ص ۳۵۶)

خرقہ اور گلیم کا اسرائیلیات سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے، اور نہ اسرائیلیات سے ان کا رشتہ جوڑا جاسکتا ہے، ایسا گمان کرنا کم علمی اور نافہمی کی علامت ہے، خرقۂ معراجیہ کا اور ملائکہ کی گلیم پوشی کا ذکر اُن کتابوں میں بھی ہے جنھیں مخالفین ملفوظات نہایت درجہ مستند اور صوفیہ میں بے مثل تسلیم کرتے ہیں، ان میں یہ روایت حضرت محبوب الٰہیؒ سے منقول ہے۔

بعد ازان از کرامت ابوبکر صدیق	اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
رضی اللہ عنہ حکایت فرمود کہ آں روز	کی بزرگی کے متعلق حکایت بیان فرمائی کہ
او چہل ہزار دینار بیاورد، و گلیمے پوشیدہ	جس دن وہ چالیس ہزار دینار لائے تھے
ومیخے بران زدہ، بخدمت رسول علیہ السلام	اس دن وہ کمبلی پہنے ہوے اور کانٹے لگائے
بیامد، ہماں زماں جبرئیل علیہ السّلام	ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
بحضرت رسالت آمد، گلیمے پوشیدہ ومیخے	خدمت میں حاضر ہوے تھے، اسی وقت
بران زدہ، رسول علیہ السّلام پرسید کہ	جبرئیل بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

این چہ لباس است؟ جبرئیل گفت یارسول اللہ امروز بر جملہ ملائکہ را فرمان شدہ است تا بہ موافقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گلیمے پوشیدہ اند و میخے بران زدہ۔ (فوائد الفواد، ۲۳، سیر الاولیا ص ۳۴۳)

کی خدمت میں آئے وہ بھی کمبلی پہنے ہوئے تھے اور اس میں کانٹے لگا رکھے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا لباس ہے، تو انھوں نے بتایا کہ یارسول اللہ آج تمام فرشتوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موافقت میں کمبلی پہننے کا حکم ہوا ہے، سب نے کمبلی پہنی ہے، اور اس میں کانٹے لگائے ہیں،

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ (المتوفی ۴۶۵ھ) نے بھی اس روایت کی طرف ایما فرمایا اور لکھا ہے۔

صدیق اکبر اندر حال تجریدش جامۂ صوف پوشید (کشف المحجوب ص ۳۳)

حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ روایت بھی بیان فرمائی ہے، امیر خورد کرمانیؒ لکھتے ہیں،

سلطان المشائخ می فرمود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم در شب معراج از حضرت عزت خرقہ یافت و آن را خرقۂ فقر گویند بعدہٗ صحابہ را طلب کرد و گفت من از حضرت عزت خرقہ یافتہ ام و مرا فرمان است کہ آن را بیکے بدہم بعدہٗ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم روے سوئے ابوبکرؓ کرد

حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں جو خرقہ اللہ پاک سے پایا، اسے خرقۂ فقر کہتے ہیں، پھر صحابۂ کرام کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے اللہ پاک سے خرقہ پایا ہے، اور مجھے حکم ہے کہ میں یہ کسی ایک کو دوں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف

رضی اللہ عنہ و فرمود، اگر من این خرقہ تبو بدہم تو چہ کنی؟ ابوبکرؓ گفت من صدق ورزم و طاعت کنم و عطا کنم، بعدہٗ حضرت عمر رضی اللہ عنہ را فرمود، اگر من این خرقہ تبو بدہم تو چہ کنی؟ عمرؓ گفت عدل کنم و انصاف نگاہ دارم، بعدہٗ از حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پرسید، اگر من این خرقہ تبو بدہم تو چہ کنی، عثمانؓ گفت من اتفاق کنم و سخاوت ورزم، بعدہٗ علی علیہ السلام رضی اللہ عنہ را پرسید، اگر من این خرقہ را تبو بدہم تو چہ کنی؟ علیؓ گفت من پردہ پوشی کنم و عیب بندگان خداے عزوجل پوشم، آن خرقہ بر علیؓ داد کرم اللہ وجہہ فرمود فرمان خداے عزوجل بود، ہر کہ این جواب گوید، این خرقہ او را بدہی، (فوائد الفوائد ص ۱۹۶، سیر الاولیا ص ۳۴۱، ۳۴۲ ج ۳)

رخ کیا اور دریافت فرمایا کہ اگر میں یہ خرقہ تمھیں دوں تو تم کیا کروگے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ میں سچائی اختیار کروں گا، عبادت کروں گا اور بخشش کرونگا پھر حضرت عمر فاروقؓ سے دریافت فرمایا، اگر یہ خرقہ میں تمھیں دوں تو تم کیا کروگے، انھوں نے جواب دیا کہ میں انصاف کرونگا اور انصاف کی نگرانی کرونگا، پھر حضرت عثمان غنیؓ سے دریافت فرمایا کہ اگر یہ خرقہ میں تمھیں دوں تو تم کیا کروگے انھوں نے عرض کیا کہ میں اتفاق اور باہمی میل جول سے کام لوں گا اور سخاوت کرونگا پھر حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ اگر یہ خرقہ میں تمھیں دوں تو تم کیا کروگے، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں عیب پوشی کرونگا، اور خدا کے بندوں کے عیبوں کو چھپاؤنگا، آپؐ نے وہ خرقہ حضرت علیؓ کو دیدیا اور فرمایا کہ مجھے اللہ پاک کا یہی حکم تھا کہ جو یہ جواب دے یہ خرقہ اسے دیدینا۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ نے لکھا ہے۔

شعار متصوفہ لبس مرقعہ است ولبس
مرقعات سنت است، ازاں جاکہ رسول
گفت علیہ السّلام علیکم بلبس الصوف
تجدون حلاوۃ الایمان فی
قلوبکم ونیز یکے گوید از صحابہؓ کان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم یلبس الصوف ویرکب الحمار
. . . . حسن بصریؒ گوید
رحمۃ اللہ علیہ ہفتاد بدری را دیدم ہمہ
راجامۂ پشمیں بود (کشف المحجوب صفحہ ۳۳-۳۴)

گدڑی پہننا صوفیوں کا معمول ہے،
اور گدڑی پہننا سنت ہے، اس لیے کہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
ہے، کہ اون پہننا اپنے لیے لازم جانو گے
تو تم اپنے دلوں میں ایمان کی حلاوت
پاؤگے، (صحابہ میں سے) ایک (صحابی)
یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اون پہنتے تھے اور خچر پر سوار ہوتے تھے،
. . . . حضرت حسن بصریؒ
فرماتے ہیں کہ میں نے سترؓ اصحاب بدر کو
دیکھا ہے، سب ہی صوف پوش تھے،

خرقۂ ابراہیمی کی روایت شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) نے اپنی موقر تصنیف عوارف المعارف (ص ۱۲۰) میں بھی نقل فرمائی ہے، ادب صوفیہ میں عوارف المعارف کا پایۂ اعتبار متفق علیہ اور مسلّم ہے، اس کے پانچ باب حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا صاحبؒ سے پڑھے تھے۔[1]

بہر نوع ان موقر بیانات سے یہ واضح ہے کہ خرقۂ دگلیم کا تعلق عین اسلامیات سے ہے، اور ان کا استعمال سنت ہے، خرقۂ ابراہیمی اور خرقہ معراجیہ لطیفۂ غیبی سے ہیں، اور خرقۂ فقر کو

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰۶ ج

ان سے گہری نسبت ہے، اور صوفیۂ کرام کے استعمال کی برکت سے خرقہ غیر معمولی اوصاف کا مالک ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے، کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ از فرزندان حضرت مرتضیٰ علی علیہ السّلام وکرم اللہ وجہہ است ویک شعبۂ خرقہ، حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی علیہ السّلام از آں جانب می رود۔ (سیر الاولیاء ص ۳۴۹ ج)

احادیث کی تدوین، مسلمانوں کا یہ زندۂ جاوید کارنامہ ہے کہ انھوں نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قول وعمل کی کامل نگہداشت کی، اور محنت وخلوص سے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدون کیا، اس باب میں دنیا کی کسی قوم کو مسلمانوں سے ہمسری کا حق حاصل نہیں ہے، انھوں نے جمع وتدوین ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ احادیث کو پرکھنے کے لیے اصول وضوابط بھی بنائے، اور پرکھ پرکھ کے احادیث کے مجموعات مرتب کیے، اصول حدیث مستقل فن اور علم کا ایک گراں قدر شعبہ ہے، اس کے ساتھ ہی علم اسماء الرجال وجود میں آیا جو علوم وفنون میں منفرد حیثیت کا مالک ہے، جس کی بدولت آج تک مسلمانوں کو سربلندی حاصل ہے،

صوفیۂ کرام میں بھی جید عالم گزرے ہیں، وہ اصول حدیث کے قائل اور اسے معتبر مانتے تھے بلکہ اصول حدیث کا درس بھی دیتے تھے،[1] اور حدیث کی مشہور ومعتبر کتابوں کو اسی نگاہ عظمت سے دیکھتے ہیں، جس سے علماء محدثین دیکھتے تھے، حضرت محبوب الٰہیؒ کا مشہور مقولہ ہے،

آنچہ در صحیحین است آں صحیح است (فوائد الفواد ص ۱۰۳)

اور اگرچہ احادیث مبارکہ کا بے پناہ ذخیرہ مہیا ہوچکا ہے، لیکن پھر بھی کوئی اس کا قائل نہیں کہ سب ہی کچھ مہیا ہوگیا ہے، اس تصور کو کہ سب ہی کچھ مہیا ہوگیا ہے احصا سے تعبیر

[1] اسرار الاولیاء ص ۱۰۶ ج اصول حدیث کی معتبر کتاب تمہید المہتدی تصنیف شیخ ابوشکور سالمیؒ حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا صاحبؒ ہی سے پڑھی تھی،

کرتے ہیں، اور اصحابؓ کے تصور کو نادر اقرار دیتے ہیں، محمد بن اسمٰعیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے،

مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں، اُن میں سے میں نے چھے ہزار کے انتخاب سے صحیح بخاری کو تدوین کیا ہے،

چورانوے ہزار ۹۴ صحیح حدیثوں کا ذخیرہ جو محفوظ نہیں ان میں سے بھی کچھ ہو سکتی ہیں، جو صوفیۂ کرام کے ملفوظات کی زینت ہیں،

صوفیۂ کرام متقیوں سے زیادہ متقی اور بصیرت باطنی سے مالا مال تھے، صاحب ذوق سلیم بھی تھے، اور کلام نبی صلعم سے لذت آشنا بھی تھے، اگر وہ کیفیت اندوز نہ ہوتے تو بے تکلف ان کی زبان پر آجاتا تھا۔

لیس فیہ ذوق کلامہ علیہ السلام (اصول الاسماء قلمی ص ۴۴)

لہذا حضرات صوفیۂ کرام نے جن احادیث نبویؐ کو اپنایا ہے، ان کے متعلق بھی کلام نہیں کیا جا سکتا ادب حدیث کے باب میں صوفیۂ کرام کا مخصوص نقطۂ نظر ہے، جس کے متعلق حضرت محبوب الٰہی کا یہ ارشاد ہے،

حدیثے کہ مردم بشنوند تو ان گفت کہ این حدیث رسول صلعم نیست، اما این تواں گفت، در کتبے کہ این احادیث جمع کردہ اند واعتبار یافتہ اند نیاددہ است (فوائد الفواد، ص ۲۳۳)

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہے کہ حدیث خرقہ کا بھی معتبر مقام ہے، خرقہ انبیاء علیہم السلام کے شعار کی یادگار ہے، اس کا اسرائیلیات سے رشتہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس کے علاوہ اس روایت خرقہ سے بھی یہ واضح ہے کہ اسرار الاولیار، حضرت بابا صاحبؒ کے معتبر ملفوظات کا

مجموعہ ہے، اور بعد کی کتب ملفوظات کا ماخذ ہے، اور کوئی ایسی معقول دلیل نہیں ہے، جس کی بناپر اسرار الاولیار کو نامعتبر مانا جا سکے۔

فصول کا اختتامیہ

اسرار الاولیار میں ۲۲ فصلیں ہیں، ہر فصل کے آخر میں اختتام کی کیفیت لکھی ہے، اور ان کی تفصیل یہ ہے، (۱) چار فصلوں کے اختتام پر یہ ذکر ہے کہ اذان کی آواز آئی تو مجالس ختم ہوئیں، ان چار میں سے دو اذانیں ظہر کی تھیں (۸۔۱۲) دو اذانوں کے متعلق یہ صراحت نہیں کہ وہ کس وقت کی تھیں (۷۔۹) گمان غالب یہ ہے کہ وہ بھی ظہر ہی کی ہوں گی۔

(۲) تین کے اختتام پر آپ عالم تحیر میں کھڑے ہوگئے تھے، (۲۔۲۱۔۲۲) (۳) ایک کے اختتام کے بعد آپ تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے تھے (۱۸)، (۴) ایک کے اختتام کے بعد آپ دولت خانہ میں چلے گئے (۵) (۵) ایک کے اختتام کے بعد آپ مشغول ہوگئے تھے، (۱۹) (۶) تین کے اختتام پر آپ بعجلت اٹھ کھڑے ہوئے، (۱۰۔۱۶۔۲۰) (۷) چھ کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور اندر چلے گئے۔ (۲۔۴۔۶۔۱۴۔۱۵۔۱۷) (۸) ایک کے بعد آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ (۱۱) (۹) ایک کے اختتام پر آپ اٹھے اور عجلت سے اندر چلے گئے۔ (۱۳)

بدواں برخاست و بدواں دروں رفت سے مراد یہ ہے کہ بعجلت آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بعجلت اندر تشریف لے گئے، اندر تشریف لے جانے سے مراد غالباً حجرے میں تشریف لے جانا ہے، ایک جگہ یہ تشریح بھی ہے کہ اندر جاکر آپ تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے، تین کے اختتام پر یہ ہے کہ بدواں دروں رفت، بعجلت اندر چلے گئے، غالباً مجالس میں وقت زیادہ صرف ہوا تھا، معمولات کو پورا کرنا ہی تھا، اس لیے آپ بعجلت اندر تشریف لے گئے، مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا ہے،

بیشتر احوال در مسجد اجودھن مشغول بودے۔ (خیر المجالس ص ۸۹)	آپ اکثر اجودھن (پاکپتن) کی مسجد میں مشغول رہتے تھے،

گویا کہ مسجد ہی میں اذان ہوتی، اور مسجد ہی میں نماز باجماعت پڑھتے، خانقاہ میں اذان و نماز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا[1] اس لیے یہ کہنا لاحاصل ہے کہ بابا صاحبؒ کی خانقاہ میں کبھی نماز باجماعت نہیں ہوتی تھی، تو ظاہر ہے کہ مسجد کے قریب ہونے اور مسجد میں اکثر مشغول رہنے کی بنا پر اس کی ضرورت ہی نہ تھی، مجلس کا اختتام عموماً ایسے اوقات میں ہوتا تھا، جو اذان و نماز کے اوقات نہ ہوتے تھے، بائیس میں سے صرف چار کا اختتام اذان کی آواز پر ہوا ہے، اغلباً یہ چاروں مجلسیں موسم سرما کی تھیں، جو اذان ظہر کے وقت تک منعقد رہیں، بدولت خانہ دروں رفت سے مراد غالباً گھر میں تشریف لے جانا ہے، اذان کے بعد ہی جو آپ دولت خانے میں تشریف لے گئے تو یقیناً کسی ضرورت سے گئے ہوں گے، اور جماعت میں شریک ہوئے ہوں گے، چونکہ صرف اختتام کی کیفیت بتانی مقصود تھی، بعد کی تفصیلات میں جانا مقصود نہیں تھا، اس لیے اس کا ذکر بھی نہیں کیا، اور نہ کرنا چاہیے تھا،

کتابت کی غلطیاں پیش نظر نسخہ 'اسرار الاولیاء' میں بکثرت غلطیاں ہیں، مطبع نولکشور کانپور کی مطبوعہ کتابیں بکثرت مطالعہ میں آئی ہیں، مگر اس قدر اغلاط سے بھری کوئی کتاب دیکھنے میں نہیں آئی، اسماء کا تو ذکر ہی کیا، املا کی معمولی معمولی بکثرت غلطیاں ہیں، ایسا لگتا ہے کہ جو نسخہ کاتب کے پیش نظر تھا، وہ بھی اغلاط سے پر تھا، کاتب بھی فارسی زبان سے قطعاً ناواقف تھا، اس کے علاوہ نہ کسی نے کاپی کی تصحیح کی اور نہ پروف کو دیکھا، اور متواتر غلط نسخے شائع ہوتے رہے، اور وہ نسخہ بھی جو ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء میں بار ششم شائع ہوا تھا کثرت اغلاط سے مملو ہے، اغلاط کی

[1] حضرت محبوب الٰہیؒ پنجگانہ نماز اپنے جماعت خانہ میں ادا فرماتے تھے، اس عہد میں غیاث پور میں کسی مسجد کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا، البتہ نماز جمعہ آپ جامع مسجد کہلوکری میں پڑھتے تھے،

امثلہ یہ ہیں۔

غلط	صفحہ	صحیح
(۱) دوگانہ بگذارد۔ و دوزنو ...	ص ۷	دوگانہ بگزارد۔ و دوزانو
(۲) بر تور تجلی کنم	ص ۰	بر تو تجلی کنم
(۳) رفت ایمان	ص ۱۱	رخت ایمان
(۴) کار زار گفتگوے گزشت	ص ۱۴	کار از گفتگوے بگزشت
(۵) در ذکر رزق بجزان	ص ۱۵	در ذکر رزق وجز آن
(۶) دور دراز	ص ۱۷	دو روزہ
(۷) ادرا انکار بر کرم حق	ص ۱۸	او را نگاہ بر کرم حق
(۸) سنگ را بشگفتم	ص ۱۹	سنگ را بشکستم
(۹) شمس نوعت	ص ۲۱	شش نوع است
(۱۰) صبح بدبر	ص ۲۳	صبح پر امید
(۱۱) ادقات	ص ۶۱	ملاقات
(۱۲) آزادی	ص ۶۲	آرزوے
(۱۳) بلاند	ص ۲۷	براند
(۱۴) بدوال درون رفت	ص ۷۱	بر دال درون رفت
(۱۵) درمیان رفتہ است	ص ۸۴	در بیابان رفتہ است

اسما کی اہم غلطیاں

غلط	صفحہ	صحیح
(۱) چون برادرم مولانا بہاد الدین زکریا	ص ۱۴	چون برادرم مولانا بہاء الدین زکریا

قدس اللہ سرہٗ العزیز کار خود را در عشق و محبت بہ تکمیل رسانیدہ بخدمت شیخ بہاء الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز پیوست	قدس اللہ سرہٗ العزیز کار خود را در عشق و محبت بہ تکمیل رسانید بخدمت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز پیوست،

(۲) این سخن بہ سمع شیخ بہاء الدین نور اللہ مرقدہٗ رسید فرمود (ص ۴۱) این سخن بہ سمع شیخ شہاب الدین نور اللہ مرقدہٗ رسید

(۳) اے درویش برادر شیخ جلال الدین تبریزی (ص ۲۷) اے درویش ..... شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ بعد از نقل

رحمۃ اللہ علیہ بعد از نقل پیر خود بخدمت شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ پیوست، اما چنداں خدمت کرد کہ ہیچ خدمتگارے آں چناں خدمت نہ کند۔	پیر خود بخدمت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ پیوست، اما چنداں خدمت کرد کہ ہیچ خدمتگارے آں چناں خدمت نہ کند (اسرار الاولیاء کے جس نسخے سے مولوی عبدالاحد مرحوم نے ترجمہ کیا ہے اس میں برابر نہیں ہے برادر ہے، مناسب یہ ہی کہ کچھ بھی نہ ہو)

(۴) اے درویش دعاگوے را برادرے بود، شیخ (ص ۶۱) اے درویش دعاگوے را برادرے بود، شیخ

شیخ نجم الدین نام او بود،	نجیب الدین نام او بود

(۵) اے درویش وقتے شیخ جلال الدین (ص ۳۷) اے درویش وقتے شیخ جلال الدین تبریزی و دعاگوے

تبریزی و دعاگوے یک جا بودیم مولانا علاء الدین صوفی می گزشت، نظر شیخ بر او افتادہ او را بخواند جامہ خود برود داد شیخ بار سورۂ اخلاص بخواند و برود میر حق تعالیٰ؛ بر مولانا علاء الدین چنداں	یک جا بودیم مولانا علاء الدین اصولی می گزشت (مولانا علاء الدین اصولیؒ بدایوں میں تھے اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے استاد تھے، اور یہ ان ہی کا واقعہ ہے، اصولی کی بجائے صوفی لکھ دیا گیا ہے) چنداں برکت و نعمت داد (بیداد تصحیح طلب

برکت و نعمت داد و بیداد گردانید از برکت شیخ جلال الدین تبریزی بود،	ہے) گردانید

(۶) مولانا بدر الدین اسحاق و چند نفر درویش دیگر بخدمت حاضر بودند،	ص ۱۱ مولانا بدر الدین و چند نفر (جس قلمی نسخے سے مولوی عبدالاحد مرحوم نے اسرار الاولیاء کا ترجمہ کیا ہے اس میں یہ نام نہیں ہے) البتہ اس نام کے ایک اور بھی بزرگ تھے، جو شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے اور شیخ نجم الدین کبریٰؒ سے فیض یافتہ تھے، ہندوستان آئے تھے، حضرت محبوب الٰہیؒ سے بھی فیض پایا تھا سنہ وفات ۷۱۶ھ ہے، غالباً بدر الدین اسحاق سے مراد یہی بزرگ تھے جو سمرقند کے باشندے تھے، ان کا مزار موضع سنکولہ میں ہے،

(۷) خدمت خواجہ قطب الدین با او ملاقی شد (ص ۸) خدمت سید[1] قطب الدین با او ملاقی شد

تحریف (جنگ غولان بیابانی) قلمی کتابوں میں تحریف کی امثلہ تو عموماً ملتی ہی ہیں، اسرار الاولیاء بھی اس سقم سے مبرا نہیں ہے لیکن اہم ترین تحریف کا ایک واقعہ وہ ہے جو اسرار الاولیاء فصل مفتم ص ۳۶ میں ہے اور جو سورہ اخلاص (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) کے اوصاف و فضائل اور خواص سے متعلق ہے، اسے واقعہ جنگ خیبر سے متعلق کر دیا ہے، وہ دراصل جنگ خیبر سے متعلق نہیں ہے،

[1] نوٹ۔ سادات کرام کو خواجہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ سید قطب الدین کو خواجہ قطب الدینؒ لکھ دیا ہے اور چونکہ بختیار اوشی یا بختیار کاکی نہیں ہے، اس لئے یہ تسامح بھی واقع نہیں ہوتا،

بلکہ جنگِ غولان بیابانی سے متعلق ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ہے۔

ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ غول بیابانی پر مامور فرمایا تھا، امیر المومنین (حضرت علیؓ) عرصے تک لڑائی میں مشغول رہے مگر فتحیابی نہ ہوئی، ایک دن آپ نے ایک نعرہ بلند کیا کہ زمین و آسمان کے طبق گونج اٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک یہ آواز پہنچی، اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور سورہ اخلاص لائے[1]، اور کہا کہ یہ سورت ان کے پاس بھیج دیجئے کہ وہ اسکی کثرت سے تلاوت کریں، چنانچہ آپ نے فوراً بھیج دی، حضرت علیؓ نے ایک شبانہ روز اس کی مزاولت کی تھی کہ وہ مہم سر ہوگئی، اور قلعہ فتح ہوگیا، (راحت المحبین ص ۲۷۴ ترجمہ مجتبائی)

راحت المحبین حضرت امیر خسروؒ کی موقر تالیف ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے، اسے حضرت امیر خسروؒ نے کتاب افضل الفوائد کے بعد مرتب فرمایا تھا، یہ کتاب شمائل الاتقیاء و دلائل الاتقیاء کی فہرستِ ماخذات میں بھی شامل ہے، جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے بزرگ خلیفہ مولانا برہان الدین غریبؒ (المتوفی ۷۳۲ھ) کی نگرانی میں مرتب ہوئی تھی، جس کا پایہ اعتبار مسلم ہے، مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے حضرت امیر خسروؒ کے مرتب کردہ کتبِ ملفوظات کے متعلق فرمایا ہے،

امیر خسروؒ ہم ملفوظ جمع کردہ لیکن آن قدر مقبول نیست (ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص ۲۰)

---

[1] حضرت جبرئیلؑ کے سورۂ اخلاص کو لے کر آنے سے مراد سورۃ کا نزول نہیں ہے، کیونکہ سورۂ اخلاص مکی ہے اور یہ بعد کا واقعہ ہے،

ضرورت ہے کہ اسرار الاولیاء کے قدیم قلمی نسخوں سے مقابلہ کرکے مذکورہ روایت کی تصحیح کی جائے، مجموعی اوصاف سے اسرار الاولیاء حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور اور قدیم سے اہلِ کمال اس کی اہمیت کے معترف ہیں، اور اس میں وہی کچھ ہے جو دیگر کتبِ ملفوظات میں ہے، اور سب ہی کچھ شریعت و طریقت کے مطابق ہے،

وقت کا تقاضا

وقت کا اہم تقاضا یہ ہے کہ مخلص عقیدت مند مجتمع ہوں، اور اس پر غور کریں کہ یہ طرفہ تماشا کیا ہے، کیونکہ اسرار الاولیاء کو غیر مستند اور جعلی قرار دیا جارہا ہے۔ مدافعت کی تدبیر یہ ہے کہ اسرار الاولیاء کو صحت و مقابلہ سے مزین کرکے منظر عام پر لایا جائے، یہی نہیں بلکہ اس کا صحیح ترجمہ بھی شائع کیا جائے، اور ہر زبان میں کیا جائے، اسے رواج دیا جائے، جو اس کی متلاشی ہیں، اس سے معاشرے میں سدھار آئے گا، اور اخلاقی قدریں جلوہ گر ہوں گی، یہ کام مخلص عقیدتمندہی انجام دے سکتے ہیں، وہ نہیں جو حصولِ مقاصد کی طمع میں عقیدت مندی کا بہروپ بھرے بیٹھے ہیں، ان پر تو یہ مصرع صادق آتا ہے، ؏

دوست وہ کرتے ہیں دشمن سے جو ہو سکتا نہیں

بلاشبہ اگر مخلص عقیدت مند کمر ہمت باندھیں تو اس مشکل کو آسان کر سکتے ہیں اور ہدایت کی روشنی سے دنیا میں اجالا کر سکتے ہیں، یہ بہت بڑی نیکی ہے، اللہ پاک ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے لیے مقدر ہے، راقم حروف سے جو کچھ بن پڑا کیا ہے، کر رہا ہے اور کرتا رہیگا، انشاء اللہ اس کے لیے یہی توشۂ آخرت ہے، اللہ پاک قبول فرمائیں۔

اسرار الاولیاء کے قدیم نسخے

اسرار الاولیاء کو مرتب کرنے کے لیے اسرار الاولیاء کے قدیم قلمی نسخوں سے آگاہی، اور ان سے مقابلہ اسرار الاولیاء کی صحت کے لیے اشد ضروری ہے، اس ضرورت کے اقتضاء سے میں نے ہندوستان کی مشہور مشہور لائبریریوں سے جو معلومات

فراہم کی ہیں وہ پیش کرتا ہوں، مدعا اس سے یہ ہے کہ صحت و مقابلہ سے اسرار الاولیاء کا کوئی نسخہ مرتب ہو کر شائع ہو جائے اور منظر عام پر آجائے جو معاشرے کے سدھار میں بیحد ممد و معاون ہوگا، اگر توفیق الٰہی سازگار ہوئی، اور حیات مستعار نے ساتھ دیا تو میں خود اس خدمت کو انجام دونگا مگر میں چراغ سحری ہوں، چاہتا ہوں کہ کوئی جواں سال و جوان ہمت اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے اور اپنے اخلاص اور اپنی کوشش سے دنیا میں اجالا کر دے، اگر خدائے پاک نے کسی اولوالعزم کو توفیق دی، اور اس نے اس کام کو سنبھالا تو یہ میرے لیے انتہائی مسرت کا باعث ہوگا، اور جو تعاون میں دے سکتا ہوں، اس میں مجھے ذرا بھی تامل نہ ہوگا انشاء اللہ، اسرار الاولیاء کے جو قدیم قلمی نسخے میرے علم میں آئے ہیں وہ یہ ہیں،

۱۔ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تین نسخے ہیں، ایک نسخہ سنہ ۱۰۸۰ ہجری کا مکتوبہ ہے، دوسرا سنہ ۱۰۸۲ھ کا مکتوبہ ہے، اور تیسرے پر سنہ کتابت مرقوم نہیں ہے۔

۲۔ اندھرا پردیش گورنمنٹ اورینٹل میونسکرپٹس لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدرآباد میں دو نسخے ہیں، مگر ان میں سے کسی میں سنہ کتابت مندرج نہیں ہے۔

۳۔ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں ابتدائی بارہویں صدی ہجری کا ایک نسخہ ہے۔

۴۔ رضا لائبریری رامپور میں ایک نسخہ ہے، سنہ کتابت تحریر نہیں ہے،

۵۔ عربی فارسی ریسرچ انسٹیٹیوٹ ٹونک (راجستان) میں ایک نسخہ ہے، سنہ کتابت درج نہیں ہے۔

نوٹ:۔ میرے پاس ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کی کیٹلاگ شکستہ اور کرم خوردہ ہے اسلیے وہاں کے نسخے کا پتہ نہیں چل سکا خط لکھنے پر جواب بھی نہیں آیا، اگر کوئی صاحب وہاں کے یا اور کہیں کے قلمی نسخے کی نشاندھی کر سکیں تو ممنون ہوں گا۔ میرا پتہ یہ ہے، اخلاق حسین دہلوی لال محل بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی، ۱۱۰۰۱۳۔

الکلمۃ الملھمۃ لوھاء الفلسفۃ المشئمۃ

تہافت الفلاسفہ کی تشکیل جدید

از

جناب شبیر احمد خان غوری ایم اے۔ ایل ایل بی سابق رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اترپردیش

الکلمۃ الملہمہ ارسطاطالیسی اور سینائی فلسفہ کے رد میں عہد حاضر کا ایک عظیم شاہکار ہے اور اس لئے اگر اسے "تہافت الفلاسفہ" غزالی کی تشکیلِ جدید کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا، ہرچند کہ مصنف رحمہ اللہ کا ہرگز کوئی ایسا خیال نہ تھا۔

سطور ذیل میں علم کلام کی تاریخ میں اس کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے و باللہ التوفیق،

۱۔ کلام کی حقیقت اور آغاز و ارتقا کلام اسلامی تعلیمات کی عقلی توجیہ کا نام ہے، چنانچہ "شرح المواقف" میں بدیں طور اس کی تعریف کی گئی ہے۔

"الکلام علم باموریقتدر معہ اثبات العقائد الدینیۃ بایراد الحجج ودفع الشبہ"۔

کلامی تفکیر کے قدیم ترین نمایندے معتزلہ تھے۔ معتزلی نظام فکر کا مجدد اور اصطلاحی اعتزال کا بانی واصل بن عطاء الغزال تھا مگر اس کا سارا وقت اسلامی فرقوں ہی سے مناظرے میں گزرا، لیکن جب یونانی فلسفہ مسلمانوں میں منتقل ہوا، تو چونکہ اس کے بہت سے مسائل اسلام کی اصولی تعلیمات کے ساتھ متصادم تھے، لہٰذا دشمنِ اسلام زنادقہ نے اس سے اپنی بیراہ روی کی

تائید کا کام لیا، اس خطرناک صورت حال کی اصلاح کے لیے تیسرے عباسی خلیفہ مہدی نے متکلمین کو بلاکر مخالفینِ اسلام کے رد میں کتابیں لکھوائیں، اس کے لیے متکلمین نے فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا تاکہ کما حقہٗ اُس کا رد کرسکیں، اس طرح کلام فلسفہ کا حریفِ پنجہ شکن بن گیا، اور تعلیماتِ اسلام کی عقلی توجیہ کے ساتھ فلسفہ کا رد و ابطال بھی اس کے دائرۂ عمل میں داخل ہوگیا۔

واصل بن عطاء الغزال کا شاگرد عثمان بن خالد الطویل اور اس کا شاگرد ابوالہذیل العلاف تھا، موخر الذکر کا شاگرد ابویعقوب الشحام اور اُس کا شاگرد ابوعلی الجبائی تھا جو امام ابوالحسن الاشعری کا استاد ہے، ابوعلی جبائی کے ساتھ امام اشعری کا مناظرہ مشہور ہے جس کے نتیجہ میں وہ اعتزال سے تائب ہوکر فرقۂ اہل السنت والجماعت میں آملے، اعتزال کی تائید میں انھوں نے جو کچھ لکھا تھا، اُس سے تو وہ دستبردار ہوگئے تھے، مگر انھیں فلسفہ کے رد کا جو ذخیرہ اپنے معتزلی شیوخ سے ملا تھا، وہ اسے اپنے ہمراہ لے آئے تھے اور اب سُنّی متکلمین نے بھی فلسفہ کے رد میں خدماتِ شایستہ انجام دینا شروع کیں۔

امام اشعری کے ایک شاگرد اُستاذ ابوالقاسم اسکاف تھے، ان کے شاگرد امام الحرمین تھے، اور اُن کے شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالی۔ امام غزالی ہی نے اس نئے اندازِ نگارش کی بناڈالی اور مستقل طور سے فلسفہ کے مواقف کا رد کیا، چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے۔

"اول من کتب فی طریقۃ الکلام علی ہذا المنحی الغزالیؒ وتبعہ الامام ابن الخطیب وجماعۃ وقفوا اثرہم۔"

مزید تفصیل غیر ضروری ہے، تاریخی تسلسل کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ امام غزالی کے سلسلۂ تلمذ میں ہی قاضی ناصر الدین بیضاوی منسلک تھے، انھوں نے علم کلام میں "طوالع الانوار" لکھی، بیضاویؒ کے سلسلۂ تلمذ میں قاضی عضد الدین الایجی ہوئے جو "المواقف فی الکلام"

کے مصنف ہیں، "المواقف" کی شرح میر سید شریفؒ نے لکھی جو سنی علم کلام کی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے، قاضی عضد کے شاگرد علامہ سعد الدین تفتازانی تھے، جنھوں نے کلام میں مقاصد، شرح مقاصد، تہذیب الکلام اور شرح عقائد نسفی لکھیں۔

یہ سب اس فن کی ادبیاتِ عالیہ میں محسوب ہوتی ہیں، مگر جو بات تہافت الفلاسفہ کی ہے وہ دوسروں کی کہاں۔

۲۔ تہافت الفلاسفہ اور الکلمۃ الملہمہ کا تصنیفی پس منظر

گوناگوں اسباب کی بنا پر چوتھی پانچویں صدی ہجری میں اسلامی فکر کے اندر فلسفہ نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کرلی تھی، اور یونانی بالخصوص ارسطاطالیسی اور ابن سینائی فلسفہ کے ساتھ آزاد خیال مسلمانوں کا شغف خطرناک حد تک پہونچ چکا تھا، اس خطرے کا سدباب وقت کی اہم ضرورت تھا، اور یہ فریضہ امام غزالی نے انجام دیا اور یہ واقعہ ہے کہ امام رازی سے کہیں پہلے فلسفہ کے پرخچے اُڑا کر رکھدئے تھے۔

کچھ ایسی ہی صورت حال پچھلی صدی میں ہمارے یہاں تھی، نصاب پر معقولات ہی معقولات چھا کر رہ گئی تھی، قرآن کریم کے سلسلے میں صرف کوئی ڈیڑھ بلکہ سوا کتاب پڑھائی جاتی تھی، یعنی جلالین شریف اور بیضاوی شریف (تا مقام درس)، مگر منطق میں "صغریٰ" سے "میرزاہد امورِ عامہ" تک کوئی پچیس۲۵ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، پھر فلسفہ میں ہدایۃ الحکمۃ متن اور ہدیہ سعیدیہ سے صدرا و شمس بازغہ بلکہ شرح اشارات تک ضروری تھیں اور معقول پسند طلبہ کے جذبۂ ہل من مزید کی تشفی کے لئے شرح مطالع، شرح حکمۃ العین، حواشی قدیمہ .... حواشی جدیدہ اور محاکمات بھی پڑھائی جاتی تھیں، غرض طبائع پر معقولات کا غلبہ تھا اور علوم عقلیہ کی وقعت مسلّم تھی، کسی عالم کو اُس وقت تک عالم تسلیم نہیں کیا جاتا تھا جب تک وہ معقولات میں دستگاہ عالی نہ رکھتا ہو۔

امام غزالی کے زمانہ میں شیخ بوعلی سینا کی عظمت لوگوں پر چھائی ہوئی تھی، یہاں تک کہ شعراء مفلقین بھی اُس کی تصانیف کو علم و دانش کا ذروۂ کمال سمجھتے تھے، انوری اپنے ایک قصیدے میں شاعر بحتری کے اشعار آبدار پر ابن سینا کی ہفوات کو ترجیح دیتا تھا؛

مرد راحکمت ہمی باید کہ دامن گیر دش — تاشفاے بوعلی خوانند نہ ژاژ بحتری

اور پچھلی صدی میں ہندوستان کے فلسفی علی الاطلاق ملا محمود جونپوری کی "شمس بازغہ" حکمت و دانشوری کی مثل اعلیٰ سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ذوق اپنے ایک قصیدے میں میر حسن کی "مثنوی بدر منیر" اور "شمس بازغہ" کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہوا ہے مدرسہ یہ خرمگاہ عیش و نشاط — کہ "شمس بازغہ" کی جا پڑھے ہیں "بدر منیر"

لیکن جب امام غزالی نے فلسفہ کا رد کرنا چاہا، تو ان کے سامنے اس کی تردید کے سلسلے میں کافی مواد تھا، چنانچہ کاتبی قزوینی نے شرح محصل رازی میں لکھا ہے کہ "تہافت الفلاسفہ" میں فلسفہ کے رد و ابطال کے سلسلے میں امام غزالی نے یحییٰ نحوی کی بہت کچھ خوشہ چینی کی ہے،

مگر اس صدی کے آغاز میں جب مولانا احمد رضا نے فلسفہ کا ذکر نا چاہا تو پچھلے فلاسفہ و متکلمین سے استفادے کا تو ذکر ہی کیا، اپنے معاصرین کی تصنیف کا بھی مطالعہ نہیں کیا، قسام ازل نے افتاء و درس کی جو خدمتیں انھیں تفویض فرمادی تھیں، اُن کی ذمہ دارانہ ادائگی انھیں کسی اور جانب متوجہ ہونے کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی، لہذا جب اُنھوں نے فلسفہ کا رد کرنا چاہا تو صرف توفیق ایزدی اور اپنے ذہن ثاقب ہی کا سہارا لیا، چنانچہ فلسفہ میں اپنی رسمی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فقیر کا درس بحمدہ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا فلسفۂ جدیدہ سے تو کوئی تعلق ہی نہ تھا...... فلسفۂ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درس نظامی اپنے استاد سے پڑھیں... اور چند روز

..... طلبہ کو پڑھائیں، مگر بحمد اللہ تعالیٰ روز اول سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی، سرکار ابد قرار بارگاہ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوٰت والتحیات سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیچکار کے سپرد ہوئیں، افتاء اور رد فرق، انھوں نے مشغلۂ تدریس بھی چھڑا دیا، اور آج ۳۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمد اللہ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رخ نہ کیا، نہ اس کی کسی کتاب کو کھول کر دیکھا" اب اخیر عمر میں سرکار نے اپنے کرم بے پایاں کا صدقہ بندۂ عاجز سے یہ خدمت لی کہ دونوں فلسفوں کا رد کرے اور اُن کی قباحتوں، شناعتوں، حماقتوں، ضلالتوں پر اپنے دینی بھائیوں یعنی طلبۂ علم کو اطلاع دے"

فلسفہ سے اپنی بے توجہی و بیزاری کا تذکرہ دوسری جگہ بدین طور کرتے ہیں:

یہ چند اوراق تو اُس کے قلم کے ہیں، جس نے ابتداء ہی سے فلسفہ کو سخت کرہ جانا اور صرف دو چار کتابیں درس میں پڑھ کر دو ایک بار پڑھا کر جو چھوڑا تو ۴۵ سال سے زائد ہوئے، کہ اس کا نام نہ لیا"

مگر یہ اتفاق ہی تھا کہ اشہب قلم کی عنان اس طرف اٹھ گئی، اور بغیر کسی اہتمام کے وہ کتاب مستطاب ان کے قلم سے ظہور میں آئی جسے بجا طور پر امام غزالی کی تہافت الفلاسفہ کی تشکیل جدید کہا جا سکتا ہے۔

لیکن اس حسن اتفاق کی تفصیل سے پہلے ایک بنیادی مسئلہ کے بارے میں ہمیں اپنے ذہن کو صاف کرنا ہے۔

۳۔ ایک اہم بنیادی سوال سوال یہ ہے کہ اگر کائنات کے ابدی حقائق کا وہم غلط کار کے تراشے اصنام خیالی کے ساتھ ٹکراؤ ہو جائے تو ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیے؟

اس سوال کے جواب میں یقیناً دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ انسان کی فطرت سلیمہ سے پوچھئے بغیر کسی تردد کے اول الذکر کے واجب الترجیح ہونے کا فیصلہ کرے گی۔

کائنات کی عظیم ترین حقیقت " ایمان باللہ ہے " اتنی بڑی حقیقت کہ صرف اسی کے تحقق کے لئے انسان کی تخلیق ظہور میں آئی :۔

" وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون "

اور جب انبیاء سابقین نے اپنے اپنے زمانہ کے گردن فراز متکبروں سے پوچھا

" افی اللہ شک فاطر السموات والارض "

تو اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے۔

رہی سائنس اور اس کے نظریات تو اس کی حقیقت ایک دل خوش کن شاعرانہ حسن تعلیل سے زیادہ نہیں رہی، جسے فریب خوردہ انسان اپنے ادعائے ہمہ دانی کی تشفی کے لئے گنگنا رہا ہے پھر عہد قدیم کا انسان ان نت نئے ڈھکوسلوں کی اختراع و اختلاق میں اتنی فراخ دلی سے کام نہیں لیتا تھا، جتنا اس نام نہاد عہد تنویر کا مدعی دانش کرتا ہے، جس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے

شد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیرہا

اس باب میں پیشوایان دین و ملت کا تبصرہ نقل کرنے کے بجائے، زیادہ مستحسن ہوگا کہ خود اربابِ سائنس اپنی کاوش پیہم کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں، اسے ہی بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے،

ایک سائنس دان نارتھ روپ کہتا ہے۔

" آج فنی علوم کا ماحصل کیا ہے؟ چند مسادات ہیں جن کی توجیہ سے خود ان کے دریافت کنندگان قاصر ہیں اور کچھ نظریے جنھیں وہ بغیر تفلسف کے نہیں سمجھا سکتے اور پھر بھی انھیں ان کے بہت سے رفقا تسلیم نہیں کرتے یا یوں کہئے کہ آج علمائے سائنس خود اپنے انکشافات کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں کیونکہ وہ مبادی و اولیات جو تمام انکشافات کے افہام و تفہیم کے لیے ضروری ہیں، خود پا در ہوا ہیں۔

—— وہ قدیم ڈھانچہ اور پس منظر جو اہل سائنس کے تخییل و تصویر کائنات کا قولم تھا، خود

سائنس کے لیے خطرہ ہے کہ خود اپنے ہی انکشافات و ایجادات کے ہاتھوں تباہ ہو جائے گی اور خود اس کی کامیابی اس کی موت کا باعث بن جائے گی "[1]

اسی طرح ایک دوسرا ماہر سائنس میکس پلانک لکھتا ہے،

آج ہم اپنی نوعیت کے ایک عجیب دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ صحیح معنوں میں ایک نازک دور ہے، ہم اپنی تہذیب و ثقافت کے ہر شعبہ میں مادی ہو یا روحانی ایک نازک موڑ پر پہونچ چکے ہیں، اور یہ جذبہ نہ صرف ملکی معاملات کے احوال واقعی ہی میں کارفرما ہے، بلکہ شخصی و اجتماعی زندگی کی اقدار اولیہ کے متعلق عام رجحانات میں بھی برابر ظاہر ہو رہا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ علامات ایک عظیم الشان نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہیں، لیکن کچھ اور لوگ بھی ہیں، جنھیں ان ارتیابی رجحانات میں اس زوال کی خبر بد نظر آ رہی ہے جو ہماری تہذیب کے نصیب میں مقدر ہو چکا ہے "[2]

بالفاظ دیگر وہ چٹان ہی سائنس دانوں کے پیروں تلے سے نکل رہی ہے، جس پر وہ ان دل خوش کن مفروضات کی فلک بوس عمارت کو مستحکم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے کیونکہ آج سائنس کے بنیادی نظریات ہی خود پا در ہوا بن چکے ہیں، کوئی بات ہی متعین نہیں ہے، بقول چیسٹر روول۔

" ہم خود کو ایسے گرداب میں پھنسا پاتے ہیں، جہاں کچھ بھی متعین نہیں ہے، یہاں تک کہ جو امواج ہمیں بہائے لئے جا رہی ہیں، ان کا رخ تک غیر متعین ہے "[3]

---

[1] (Northrop: Science And First Principles, P.2)
[2] (Max Plank: Where is Science Goinp, P.64)
[3] (Chester Rowell in Sen Francisco Chronicles, Aupust. 1930)

اس مایوس کن صورت حال کے بعد ظاہر ہے کہ سائنسی نظریات کو کہاں تک معیار حق و باطل قرار دیا جا سکتا ہے۔

اُدھر اہل سائنس تو اس طرح اعتراف نارسائی کر رہے ہیں مگر ادھر ہمارے یہاں متجددین کا ایک طبقہ ہے جو ان فرسودہ نظریات کو کلام الٰہی المنزل من السما سمجھنے پر مصر ہے اور پھر انہیں معیار حق و باطل ٹھہرا کر روایاتی اقدار حیات اور دینی تصورات کی انہی باسی تباسی نظریات و مفروضات کی روشنی میں توجیہ پر مصر ہے،

کچھ ایسے ہی تجدد پسند لوگوں نے حضرت مولانا مولوی ظفر الدین بہاری رحمہ کو مجبور کیا کہ وہ مولانا سے ایک پیشین گوئی کے باب میں استفسار کریں۔

۴۔ **الکلمۃ الملہمہ کی وجہ تصنیف** ہوا یہ کہ امریکہ کے کسی منجم نے دعویٰ کیا تھا کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو اجتماع سیارات کے سبب آفتاب میں اتنا بڑا داغ پڑیگا کہ اس کے باعث زلزلے آئیں گے طوفان شدید آئے گا، ممالک برباد ہو جائیں گے اور خدا معلوم کیا کیا مصائب ارضی و سماوی رونما ہونگے،

جب تجدد پسند لوگوں نے ... مولانا بہاری رحمہ کو جو اس وقت مدرسہ عالیہ سہسرام کے مدرس اعلیٰ تھے مجبور کیا تو انھوں نے ۱۰ صفر ۱۳۳۸ھ کو اس پیشین گوئی پر مشتمل ایک عریضہ مولانا کی خدمت اقدس میں روانہ کیا، انھوں نے پہلے تو اس کا مختصر جواب چند ورق میں جس کا ماحصل یہ تھا کہ یہ محض اباطیل بے اصل ہیں، نہ وہ اجتماع سیارات اس تاریخ کو ہوگا، جس کا مدعی ہے، نہ جاذبیت (کشش ثقل یا Gravition) کوئی حقیقت رکھتی ہے [اور چونکہ اعیان فرنگ کا اعتماد کوپرنیکی نظام ہیئت پر ہے، جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ زمین کے گرد آفتاب حرکت نہیں کرتا، بلکہ زمین آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے، پھر اسکی تائید مزید نیوٹن اور اس کے پیروؤں نے کشش ثقل کے مفروضہ سے کی تھی، لہٰذا اس جواب کے]

ضمن میں بعض دلائل رد زمین کے لکھے":

جب یہ توضیحی تقریر زیادہ طویل ہوئی تو موخر الذکر دلائل کو جدا کر کے مستقلاً ایک کافی و کامل کتاب بعنوان "فوز مبین در رد حرکتِ زمین لکھی جس میں ایک سو پانچ دلائل سے "حرکت زمین باطل کی اور "جاذبیت" و "نافریت" وغیرہما مزعومات فلسفہ جدیدہ پر وہ روشن رد کئے، جن کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف پر بحمدہ تعالےٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں۔

" فوز مبین" کئی فصلوں پر منقسم تھی، ان میں سے تیسری فصل میں ایک "تذییل" لکھی، اس "تذییل" میں اُن دس دلائل کا ذکر تھا جو فلسفۂ قدیمہ نے حرکت زمین کے رد پر وارد کئے تھے، مثلاً

۱۔ دلیل پنجم یہ تھی کہ فلک میں "میل مستدیر" ہے تو زمین میں نہ ہوگا کہ طبیعت متضاد ہے،

۲۔ دلیل ہفتم یہ کہ زمین میں مبدء میل مستقیم ہے، تو مبدء میل مستدیر محال،

۳۔ دلیل ہشتم، یہ تھی کہ زمین کا دورہ طبعاً، ارادتاً نہونا ظاہر اور "قسر" کو دوام نہیں،

۴۔ دلیل نہم یہ کہ حرکتِ زمین ماننے والوں کے نزدیک یہ حرکت نامتناہی ہے، تو قوت جسمانی سے اس کا صدور محال،

۵۔ دلیل دہم، یہ کہ طبعیات میں ثابت ہے کہ حرکت وضعیہ نہ ہوگی مگر "ارادیہ" اور زمین "ذات ارادہ" نہیں۔

فاضل مصنف نے ان دلائلِ عشرہ کا ابطال کیا کہ یہ دلائل باطل و زائل ہیں ان کے ردنے اصُول فلسفۂ قدیمہ کے ازہاق و ابطال کا دروازہ کھولا"! انھوں نے ان کے رد میں "تیس" مقام لکھے جن سے بعونہ تعالےٰ تمام فلسفۂ قدیمہ کی نسبت روشن ہوگیا کہ فلسفۂ جدیدہ کی طرح بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا"!

ان مقامات جلیل کے سبب یہ تذییل غیر معمولی طور پر طویل ہوگئی، جس کے نتیجہ میں اصل کتاب "فوز مبین" کی چوتھی فصل بہت دور جا پڑی، لہٰذا ان کے صاحبزادے مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب کی رائے ہوئی کہ ان مقامات کو رد فلسفۂ قدیمہ میں ایک مستقل کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے مگر چوم الآخرین یکجا نہ ہو تو وہ کتاب رد فلسفۂ جدیدہ یعنی دوسری، رد فلسفۂ قدیمہ میں اور ساتھ ساتھ مقاصد فوز مبین میں اجنبی (بظاہر غیر متعلق ابحاث) سے فصل (سوم) طویل نہ ہو"

یہ رائے مولانا کو بھی پسند آئی اور اس طرح کتاب کامل النصاب بعون الملک الوہاب المسمّٰی بنام تاریخی "الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ لوہاء الفلسفۃ المشئمۃ" منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

ازاں بعد مولانا سفارش فرماتے ہیں۔

"مسلمان طلبہ (و اہل علم) پر دونوں کتابوں کا بغور بالاستیعاب مطالعہ اہم ضروریات سے ہے کہ دونوں فلسفۂ مزخرفہ کی شناعتوں، جہالتوں، سفاہتوں، ضلالتوں پر مطلع رہیں اور بعونہٖ تعالیٰ عقائد حقہ اسلامیہ سے ان کے قدم متزلزل نہ ہوں"

امام غزالی نے یونانی ارسطاطالیسی فلسفہ کی تنقیص کے لیے فارابی و ابن سینا کے مزخرفات کے پرخچے اڑا دیے اور مولانا نے فلسفہ کے ہفوات و باطلیں کی تردید و ابطال کے لیے مشہور فلسفی ملا محمود جونپوری کے چیتھڑے بکھیر دیئے۔ وہ ذات گرامی جو اس قسم کی کاوشوں کو

نگذرا ز مجموعہ اردو کہ بیرنگ من است

کا مصداق سمجھتی تھی، اس تقابل کو پسند نہ فرماتی، پھر بھی ان کے عقیدت مندوں کے انشراح

صدر کے لیے امام غزالی کی "تہافت الفلاسفہ" اور عہد حاضر کے اس عظیم کلامی شاہکار ["الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ لوہاء الفلسفۃ المشئمۃ"] کا سرسری موازنہ پیش کیا جا رہا ہے۔

وباللہ التوفیق۔

۵ - تہافت الفلاسفہ اور الکلمۃ الملہمہ کے محتویات

"تہافت الفلاسفہ" میں بیس مسئلے ہیں، بتفصیل ذیل

پہلا مسئلہ فلاسفہ کا مذہب ہے کہ عالم ازلی (ہمیشہ سے) ہے، اس کا ابطال،

دوسرا مسئلہ ان کا یہ بھی مذہب کہ عالم ابدی ہے (ہمیشہ رہے گا) اس کا ابطال،

تیسرا مسئلہ، فلاسفہ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ عالم کا بنانے والا ہے اور عالم اس کی کاریگری ہے، فریب محض ہے، اس کی وضاحت۔

چوتھا مسئلہ، فلاسفہ صانعِ عالم (باری تعالیٰ) کا وجود ثابت کرنے سے عاجز ہیں، اس کی توضیح۔

پانچواں مسئلہ۔ فلاسفہ دو خداؤں کے محال ہونے پر دلیل قائم کرنے سے عاجز ہیں،

چھٹا مسئلہ۔ فلاسفہ باری تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں، اس کا ابطال،

ساتواں مسئلہ۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اول (باری تعالیٰ) کی ذات جنس اور فصل میں منقسم نہیں ہو سکتی، اس کا ابطال۔

آٹھواں مسئلہ۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اول (باری تعالیٰ) موجود، بسیط اور بلا ماہیت ہے، اس کا ابطال۔

نواں مسئلہ۔ فلاسفہ اس بیان سے عاجز ہیں کہ اول (باری تعالیٰ) جسم نہیں ہے۔

دسواں مسئلہ۔ "قول بالدہر" (دہریت) کی توضیح اور اس بات کی وضاحت کہ اس قول کے قائلین کے لیے صانعِ عالم کی نفی لازم ہے،

گیارھواں مسئلہ۔ فلاسفہ یہ ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ اول (باری تعالیٰ) اپنے غیر کو جانتا ہے۔

بارھواں مسئلہ۔ فلاسفہ یہ بات بھی ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ اول (باری تعالیٰ) اپنی ذات کو جانتا ہے۔

تیرھواں مسئلہ۔ فلاسفہ کے اس قول کا ابطال کہ اول (باری تعالیٰ) جزئیات (متغیرہ حادثہ) کا عالم نہیں ہے۔

چودھواں مسئلہ۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ آسمان ذی حیات حیوان ہے، اور اپنے ارادے سے حرکت کرتا ہے، اس کا ابطال۔

پندرھواں مسئلہ۔ فلاسفہ نے جن اغراض کا ذکر کیا ہے کہ وہ آسمان کی محرک ہیں، اُن کا ابطال.

سولھواں مسئلہ۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ آسمان کے نفوس کو اس عالم کی تمام جزئیات حادثہ کا علم ہے، اس کا ابطال،

سترھواں مسئلہ۔ فلاسفہ جو "خرق عادات" کو محال بتاتے ہیں، اس کا ابطال۔

اٹھارھواں مسئلہ۔ فلاسفہ اس بات پر کہ نفس انسانی، جوہر قائم بنفسہ ہے جو نہ جسم ہے اور نہ عرض، عقلی دلیل قائم کرنے سے عاجز ہیں، اس کی توضیح۔

انیسواں مسئلہ۔ فلاسفہ نفوس بشریہ پر فنا کو محال بتاتے ہیں، اس کا ابطال،

بیسواں مسئلہ۔ فلاسفہ کو بعث بعد الموت اور حشر اجساد سے انکار ہے نیز اس بات سے بھی کہ جنت اور دوزخ میں وہ جسمانی لذتوں اور تکلیفوں سے دوچار ہونگے، اس کا ابطال،

ان میں بارہ مسئلوں (۱، ۲، ۶، ۷، ۸، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۹، ۲۰) کے اندر فلاسفہ کے مواقف اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں، لہذا امام صاحب نے انھیں باطل کیا ہے، باقی آٹھ مسئلوں میں ان (فلاسفہ) کا دعویٰ بظاہر وہی ہے جو شریعتِ اسلامیہ کی تعلیم ہے، مگر یا تو یہ کھوکھلے دعاوی

ابلہ فریبی کے مترادف ہیں، یا اگر نیک نیتی کے ساتھ کئے گئے ہیں تو غالباً کچھ ذہنی تحفظات کے ساتھ کیے گئے ہیں، اس لئے انھوں (فلاسفہ) نے ان کے اثبات کے لیے جو دلیل دی ہے، وہ سقیم ہے، اور منطقی معیار پر پوری نہیں اُترتی، اس لیے امام صاحب نے ان دلائل کے کھوکھلے پن کو بے نقاب کیا ہے، مثلاً ایمان باللہ اسلامی تعلیم کا اصل الاصول ہے، چوتھے مسئلہ میں امام صاحب بتاتے ہیں کہ فلاسفہ صانعِ عالم کے وجود کو مانتے ہیں، مگر اس کے وجود پر جو دلیل دیتے ہیں، وہ سقیم ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کا انداز فکر متناقض بالذات ہے کیونکہ ایک جانب وہ عالم کو قدیم مانتے ہیں [جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ موثر سے مستغنی ہے] اور دوسری جانب اسکے لیے ایک "صانع" کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، نتیجہ تخبط کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، امام غزالی فرماتے ہیں :-

"واما الفلاسفة فقد رأوا ان العالم قديم ثم اثبتوا له مع ذلك صانعا وهذا المذهب بوضعه متناقض"

اسی طرح کا تخبط باقی مسائل ثمانیہ میں ہے، جس کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔

اس کے بعد "الکلمۃ الملھمۃ" کے محتویات پر نظر ڈالئے، مصنف نے دیباچہ میں تیس مقام بتائے تھے، فرماتے ہیں،

"دس دلائل ..... فلسفۂ قدیمہ نے رد حرکت زمین پر دئے ...... ان کے ردنے اُصول فلسفہ قدیمہ کے ازہاق وابطال کا دروازہ کھولا"

ہم نے تیس مقام ان کے رد میں لکھے۔

مگر مطبوعہ کتاب میں ان کی تعداد اکتیس ہے، جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے،

(مقام اول) اللہ عزوجل فاعل مختار ہے، اس کا فعل نہ کسی مرجح کا دست نگر، نہ کسی

استعداد کا پابند (مقام دوم) اللہ واحد القہار ایک اکیلا خالق جملۂ عالم ہے، خالقیت میں عقول وغیرہا کوئی اس کا شریک، نہ تخلیق میں واسطہ (مقام سوم) فلک محدد جہات نہیں، (مقام چہارم) قسر کے لئے مقسور میں کوئی میل طبعی ہونا کچھ ضرور نہیں (مقام پنجم) خلا محال نہیں (مقام ششم) حیز، شکل، مقدار اور جتنی چیزیں جسم کے لیے فی نفسہٖ ضروری ہیں کہ جسم کا اُن سے خلو نا متصور، اُن میں بھی کسی شے کا جسم کے لیے طبعی ہونا کچھ ضروری نہیں (مقام ہفتم) فلک الافلاک میں میل مستقیم ہے (مقام ہشتم) فلک میں مبدء میل مستدیر نہیں۔ (مقام نہم) جسم میں کوئی نہ کوئی مبدء میل ہونا کچھ ضروری نہیں (مقام دہم) حرکت وضعیہ کا طبعیہ ہونا محال نہیں (مقام یازدہم) حرکت وضعیہ فلک بھی طبعیہ ہو سکتی ہے (مقام دوازدہم) طبیعت کا دائما اپنے کمال سے محروم رہنا محال نہیں (مقام سیزدہم) حرکت فلک قسریہ ہو سکتی ہے، (مقام چہاردہم) فلک کی حرکت ارادیہ ہونا ثابت نہیں، (مقام پانزدہم) بلکہ افلاک کی حرکت قسریہ ہونا ثابت (مقام شانزدہم) فلک پر خرق والتیام جائز ہے (مقام ہفدہم) (فلک) بسیط نہیں (مقام ہیجدہم) فلک کا قابل حرکت مستدیرہ ہونا ثابت نہیں (مقام نوزدہم) فلک کی حرکت ثابت نہیں۔ (مقام بستم) اُصول فلسفہ پر فلک کی حرکت مستدیرہ بلکہ مطلقاً جنبش یکسر باطل و محال۔ (مقام بست ویکم) دو حرکت مستقیمہ کے بیچ میں سکون لازم نہیں (مقام بست ودوم) اُمور غیر متناہیہ کا عدم سے وجود میں آجانا مطلقاً محال ہے، مجتمع ہوں، خواہ متعاقب، مرتب ہوں، یا غیر مرتب (مقام بست وسوم) قدم نوعی محال ہے (مقام بست وچہارم) قوت جسمانیہ کا غیر متناہی پر قادر ہونا محال نہیں (مقام بست وپنجم) آن سیال کوئی چیز نہیں۔ (مقام بست وششم) زمانہ کا وجود خارجی اصلاً ثابت نہیں (مقام بست وہفتم) زمانے کے لئے

خارج میں کوئی منشا انتزاع بھی نہیں (مقام بست وہشتم) زمانہ موجود ہو خواہ موہوم، کسی حرکت کی مقدار نہیں ہو سکتا (مقام بست ونہم) زمانہ کا مقدار حرکت فلکیہ ہونا کسی طرح ثابت نہیں، بلکہ نہ ہونا ثابت ہے (مقام سیم) زمانہ حادث ہے۔

یہ ہیں وہ تیس مقام جنہیں "فوزمبین" کی فصل سوم میں بطور تذییل لکھا تھا، مگر جب مستقل کتاب (الکلمۃ الملہمہ) مرتب ہونے لگی تو ایک اور مقام کا اضافہ کیا تاکہ یہ رد کامل وکافی ہو جائے، چنانچہ مقام سیم کے آخر میں فرماتے ہیں۔

"یہ ہیں وہ تیس مقام کہ اُس تذییل میں تھے، بعونہٖ تعالیٰ ذکر کا بافاضہ اور اضافہ ہو کہ فلسفہ کی کوئی اہم مردود بات ردسے رہ نہ جائے۔ وباللہ التوفیق ؕ"

(مقام سی ویکم) "جزء لایتجزیٰ" باطل نہیں۔

واضح رہے کہ سائنس جدید کے اہم نظریات جو اسلام سے متصادم ہیں چار ہیں۔

۱۔ کوپرنیکس کا "شمس ۔ مرکزی نظریہ" جس کی رو سے زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔

۲۔ ڈارون کا "نظریۂ ارتقاء"

۳۔ مارکس کی جدلیاتی مادیت" یا تاریخ کی مادی توجیہ

۴۔ فرائڈ کا نظریہ۔

اول الذکر جدید علم الہیئت اور "نجمی طبیعیات" (Astrophysics) کی اساس ہے اسکے بہت سے دعاوی بالواسطہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوتے ہیں، اسلیے فاضل مصنف نے "حرکت زمین" اور اُس سے متعلقہ مسائل کی تنقیح وتنقید پر خصوصیت سے توجہ کی، پھر حرکت زمین کی جو یا دوسرے اجرام سماوی کی، بحث وتمحیص کے گوناگوں مباحث پر مشتمل ہے، جو ان فلسفیانہ مفروضات اور قیاس آرائیوں کے لیے بمنزلہ اُصول ومبادی ہیں، اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب کا بڑا حصہ تیسرے مقام سے بیسویں مقام تک انہیں مزعومہ اصول ومبادی کی تحقیق پر صرف کیا ہے،

لیکن خالص اسلامی نقطۂ نظر سے پہلا اور دوسرا مقام خصوصی اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ "ایمان باللہ" اور "توحید ربوبیت" کے عقائد حقہ کے لئے جو اصل اسلام ہیں، یہ بنیان مرصوص کا کام دے سکتے ہیں۔

امام ابوالحسن مدائنی رح

(اسلامی ہند کے پہلے مورخ)

از مولانا قاضی اطہر مبارکپوری اڈیٹر البلاغ بمبئی

دوسری صدی کے نصف اول (سنہ ۱۰۱ھ تا سنہ ۱۵۰ھ) میں پورے عالم اسلام میں مختلف موضوعات پر کتابوں کی تدوین و تالیف کا دور شروع ہوا تو احادیث و آثار اور فقہ کی طرح سیر و مغازی، طبقات و تاریخ، فتوحات و غزوات، اور احداث و اخبار پر بھی کتابیں لکھی گئیں، اور تیسری صدی تک ان موضوعات پر تصانیف کا انبار لگ گیا،

اس دور میں بلاد اسلامیہ کی فتوحات و غزوات پر بہت سے علماء و ائمہ نے کتابیں لکھیں ان میں متعدد علماء نے خراسان، سجستان، کرمان، مکران، سندھ اور ہندوستان کے علاوہ بہت سے عجمی ممالک کے غزوات و فتوحات پر خصوصی توجہ دی، ہماری تحقیق میں اس دور میں امام ابوالحسن علی ابن محمد مدائنی متوفی ۲۲۵ھ رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے مورخ ہیں، جنھوں نے اسلامی ہند پر تین مستقل کتابیں لکھیں، اور یہاں کی فتوحات و امارات اور اخبار و احوال کے ساتھ خصوصی اعتنا کیا۔ ابن ندیم نے ان کے بارے میں علماء تاریخ و طبقات کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے،

قالت العلماء ابو مخنف بامر العراق واخبارها وفتوحها يزيد على غيره، والمدائني بامر خراسان والهند وفارس والواقدي بالحجاز والسيرة، وقد اشتركوا في فتوح الشام۔[1]

علماء نے کہا ہے کہ ابو مخنف عراق کے امور و اخبار اور فتوحات کے بارے میں دوسروں سے زیادہ علم رکھتے ہیں، اور مدائنی خراسان، ہندوستان اور فارس کے بارے میں دوسروں پر فائق ہیں، اور واقدی حجاز کے اخبار اور سیر و مغازی میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہیں،

اور مدائنی کی تقریباً سوا دو سو تاریخی تصانیف میں ہندوستان کے موضوع پر ان تین مستقل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے،

(۱) کتاب ثغر الهند۔ (۲) کتاب عمال الهند (۳) کتاب فتح مکران۔[2]

مدائنی کے معاصر اور ان سے متقدم الوفاۃ مورخ علامہ واقدی متوفی سنہ ۲۰۷ھ کی ایک کتاب اخبار فتوح بلاد السند کا تذکرہ قاضی رشید بن زبیر نے اپنی کتاب الذخائر والتحف میں کیا ہے جس میں واقدی نے حضرت امیر معاویہؓ کے امیر سندھ عبداللہ بن سوار عبدیؒ کی خدمت میں راجہ قیقان کے گرانقدر تحفہ بھیجنے کا ذکر کیا ہے، واقدی کی تصانیف میں اس نام کی کسی کتاب کا تذکرہ نہیں ملتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کی کتاب فتوح العراق میں اس عنوان سے مستقل باب سندھ کی فتوحات کا رہا ہو، جیسے بلاذری کی کتاب فتوح البلدان میں فتوح السند کے الگ عنوان کے تحت یہاں کے غزوات و فتوحات اور امارات کا ذکر ہے، بہرحال واقدی نے مدائنی سے پہلے ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی توجہ کر کے مستقل کتاب یا مستقل باب لکھا ہے، اس کے باوجود ہندوستان کے بارے میں مدائنی کی متعدد تصانیف اور ان کے دو شاگرد خلیفہ بن

---

[1] الفہرست ص ۱۳۸، [2] ایضاً ص ۱۵۰،

خیاط بصری متوفی سنہ ۲۴۰ھ اور ابوالحسن احمد بن یحیی بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ کی اپنی کتابوں میں یہاں کے حالات سے خصوصی اعتنا کی وجہ سے مدائنی اسلامی ہند کے پہلے مورخ مانے جائیں گے، اس وقت اسی حیثیت سے انکا تذکرہ مقصود ہے، وہ دوسری صدی کے عظیم مورخ ماہر انساب وطبقات، عالم فتوح ومغازی، راویۂ ایام واخبار اور ثقہ وصدوق محدث ہیں، اور تواریخ واحداث پر اپنی تصانیفِ کثیرہ کی وجہ سے اخباری کے لقب سے مشہور ہیں، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا،

امام ابوالحسن مدائنی کا مستقل تذکرہ حسب ذیل کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

(۱) ان کے سب سے قدیم تذکرہ نگار ابن قتیبہ متوفی سنہ ۲۷۶ھ نے کتاب المعارف میں دو سطر سے کم ہی میں انکا ذکر کیا ہے (۲) ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں انکا حال کم اور تصانیف کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے، (۳) خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں نسبۃً تفصیل سے لکھا ہے جو بعد والوں کا ماخذ ہے (۴) سمعانی نے کتاب الانساب میں تاریخ بغداد کا خلاصہ درج کیا ہے، (۵) یاقوت نے معجم الادباء میں کچھ زائد باتیں لکھی ہیں، اور ابن ندیم کے حوالے سے تصانیف کا مفصل تذکرہ کیا ہے، (۶) امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں جرح وتعدیل کے انداز میں انکا تذکرہ کیا ہے۔ العبر فی خبر من غبر میں تاریخ بغداد کا خاصۃ الخلاصہ بیان کیا ہے، اور المغنی عن الضعفاء میں ایک سطر میں لکھا ہے (۷) ابن عماد نے شذرات الذہب میں العبر کی عبارت نقل کر دی ہے،

نام ونسب اور ولاء | ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف قرشی مدائنی، مولی عبدالرحمن ابن سمرہ یا مولی عبد شمس بن عبد مناف، عام طور سے ابوالحسن مدائنی یا صرف مدائنی سے مشہور ہیں، ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں[1] بلاذری نے فتوح البلدان کے باب السند میں[2] خطیب نے

لہ ص ۵۴۲ ۲ہ ص ۴۲۰

تاریخ بغداد میں[1] ابن ندیم نے الفہرست میں[2] سمعانی نے کتاب الانساب میں[3] یاقوت نے معجم الادباء میں[4] مدائنی کے نام ونسب اور ولاء کے بارے میں اتنا ہی لکھا ہے، جسے مدائنی کے شاگرد رشید حارث بن ابو اسامہ نے بیان کر کے کہا ہے کہ یہ معلومات خود مدائنی نے اپنے نسب کے بارے میں مجھے دی ہیں، خطیب نے لکھا ہے،

محمد بن جریر الطبری قال:	طبری کا قول ہے کہ علی بن محمد بن عبداللہ
علی بن محمد بن عبد اللہ	بن ابی سیف مولی عبدالرحمن بن سمرہ
بن ابی سیف، مولی عبدالرحمن	کے نسب اور ولاء کے بارے میں
بن سمرۃ، اخبرنی الحارث	ان کے شاگرد حارث بن ابواسامہ نے
انہ ھو الذی اخبرہ بنسبہ	مجھ سے بیان کیا ہے کہ خود مدائنی نے انکو
وولائہ[5]	یہ معلومات دی ہیں۔

اور ابن ندیم نے لکھا ہے۔

قال الحارث بن ابی اسامۃ	حارث بن ابواسامہ نے بتایا ہے کہ
المدائنی ابوالحسن علی بن محمد بن	مدائنی کا نام ونسب اور ولاء یوں
عبد اللہ بن ابی سیف المدائنی	ہے، ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ
مولی شمس بن عبد مناف[6]	ابن...... ابی سیف، مولی
	شمس بن عبد مناف۔

مدائنی کے اجداد میں کوئی بزرگ فاتح سجستان حضرت عبدالرحمن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، اسی لئے مدائنی ولاءً قرشی ہیں

لہ ص ۵۴ ج ۱۲ ۲ہ ص ۱۴۷، ۳ہ ص ۵۱۵ ج ۲، ۴ہ ص ۳۰۹ ج ۵ ۵ہ تاریخ بغداد ص ۵۵ ج ۱۲
۶ہ الفہرست ص ۱۴۷۔

اور موالی عبدالرحمن بن سمرہ یا موالی عبد شمس بن عبد مناف کہے جاتے ہیں، مدائنی کے پردادا ابوسیف غالباً حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کے ساتھ کابل یا سندھ کے علاقہ سے بصرہ گئے، اور مسلمان ہوئے جو حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں سجستان و کابل کے ساتھ سندھ و مکران کے بعض علاقوں کے مشہور فاتح ہیں، وہ پہلی بار ۳۳ھ میں سجستان کی مہم پر آئے، دوسری بار ۴۲ھ میں یہاں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے آئے، اور سندھ و مکران کے بعض نواحی علاقے فتح کئے، آخر میں بعہد معاویہ بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور وہیں ۵۱ھ میں انتقال فرمایا، بصرہ کے جس علاقے میں حضرت عبدالرحمنؓ بن سمرہ مقیم تھے اس کو سکۂ ابن سمرہ کہتے تھے، یہاں ان کا شاندار اور وسیع و عریض قصر تھا، اسی میں ان کے کابلی غلاموں نے ایک عظیم الشان مسجد کابلی طرز تعمیر پر بنائی تھی، بعد میں یہ علاقہ ان کی اولاد کا مسکن بنا اور سکۂ بنی سمرہ کہلایا جس کے مالک حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کے پوتے عتبہ بن عبداللہ نامی ایک بزرگ تھے، بلاذری کا بیان ہے:

وکان عبد الرحمن قدم بغلمان	حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کابل سے غلام
من سبی کابل فعملوا له مسجداً	لائے تھے جنھوں نے ان کے قصر واقع
فی قصرہ بالبصرۃ علی بناء کا بل[1]	بصرہ میں کابلی طرز تعمیر پر ایک مسجد بنائی،

۴۳ھ میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ نے کابل کی مہم کے سلسلے میں افغانستان کے علاقہ زرنج کے حاکم سے دو ہزار غلاموں پر صلح کی تھی، پھر آگے بڑھ کر ہندوستان کے بعض نواحی علاقے فتح کئے، بلاذری نے لکھا ہے،

فاتی زرنج فحصر مرزبانها فی	حضرت ابن سمرہؓ نے زرنگ کے حاکم
قصرہ فی یوم عید لهم فصالحه	کا اس کے قلعہ میں وہاں کے قومی

علی الفی وصیف، وغلب ابن	جشن کے دن محاصرہ کیا، اور اس نے
سمرۃ علی ما بین زرنج وکش	دو ہزار غلاموں پر ان سے صلح کی
من ناحیۃ الهند،[1]	اور حضرت ابن سمرہؓ ہندوستان کی جانب زرنگ اور کچھ کے درمیانی علاقہ پر قابض ہوگئے۔

ہو سکتا ہے کہ کابل کے جنگی قیدیوں اور غلاموں میں کچھ لوگ ہندوستانی علاقہ کے بھی رہے ہوں جن میں مدائنی کے جد اعلیٰ بھی شامل تھے، اور اسی آبائی وطنی تعلق کی بنا پر انھوں نے ہندوستان کے غزوات و فتوحات اور امارات و حادثات پر مستقل کتابیں لکھیں۔

اس زمانہ میں عام طور سے غلمان و موالی اپنے آقاؤں کے ساتھ ان کے جوار میں رہتے تھے اس لئے مدائنی کا خاندان بھی بصرہ کے سکۂ ابن سمرہ میں رہتا تھا۔

بصرہ میں پیدائش اور نشو و نما۔ بصرہ کے اسی سکۂ ابن سمرہ میں مدائنی بالاتفاق مورخین ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور یہیں ان کی نشو و نما ہوئی، ابن ندیم نے لکھا ہے۔

ومولدہ علی ما ذکرہ محمد بن	مدائنی کی ولادت کے بارے میں حسین
یحیی عن الحسین بن فهم	ابن فہم نے کہا ہے کہ خود مدائنی کا قول
عنه انه قال ولدت	ہے کہ میری ولادت ۱۳۵ھ میں ہوئی ہے،
سنۃ خمس وثلاثین	
ومائۃ[2]	

خطیب نے مدائنی کے شاگرد حارث بن ابواسامہ کا بیان نقل کیا ہے،

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۸

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۲ [2] الفہرست ص ۱۴۷،

وکان مولدہ ومنشأہ بالبصرۃ	مدائنی کی ولادت اور نشوونما بصرہ
ثم سار الی المدائن بعد حین	میں ہوئی ہے، پھر وہ مدائن گئے، اس کے
ثم سار الی بغداد فلم	بعد بغداد چلے گئے، اور وہیں رہے حتی
یزل بھا حتی توفی بھا[1]	کہ وہیں فوت ہوئے۔

نیز خطیب، سمعانی اور یاقوت نے لکھا ہے کہ مدائنی بصری ہیں، مدائن میں قیام کیا، پھر وہاں سے بغداد منتقل ہو گئے، اور وفات تک یہیں رہے، یہ عجیب بات ہے کہ وہ بصری المولد والمنشا، اور بغدادی الوفاۃ ہونے کے باوجود درمیان میں کچھ مدت قیام مدائن کی وجہ سے مدائنی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

اس وقت بصرہ کی آبادی پر تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) سال گزر چکے تھے، اور پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح کا دور خلافت تھا۔ ۱۴ھ میں بصرہ کی تعمیر و تمصیر فوجی و حربی نقطۂ نظر سے ہوئی تھی، اس لئے یہاں فاتح عربوں اور مفتوح عجمیوں کی آبادیاں زیادہ ہوئیں، سواد بصرہ میں دیگر بلاد عجم کی طرح ہندوستان بھی شامل تھا، اور یہاں کا حربی اور شہری نظام بصرہ کے مرکز سے وابستہ تھا، اس لئے یہاں ایران کے اساورہ کی طرح ہندوستان کے زط (جاٹ) سیابجہ اور مید وغیرہ بڑی تعداد میں آباد ہو گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کے سرکاری خزانہ (بیت المال) کی حفاظت پر ہندوستان کے چالیس اور ایک روایت کے مطابق چار سو سیابجہ مامور تھے، جن کا سردار ابو سالمہ نامی ایک مسلمان جاٹ تھا[2]۔

اس دور میں بصرہ اسلامی و عجمی تہذیب و ثقافت کا مجمع البحرین تھا، تابعین اور تبع تابعین کے برکات و حسنات عام تھے، اسلامی علوم و فنون کے ائمہ تدریس و تعلیم اور تدوین و تالیف میں

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۵۵ [2] فتوح البلدان ص ۳۶۹

مصروف تھے، جن میں اکثریت طبقۂ موالی کی تھی، اسی ماحول میں مدائنی نے آنکھیں کھولیں اور دینی و علمی نشوونما پائی، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے زندگی کا بڑا حصہ بصرہ میں گزارا۔

بصرہ میں تعلیم جیسا کہ معلوم ہوا بصرہ اس وقت علم و علماء سے معمور و مشحون تھا، اور ائمہ دین کی برکتیں عام تھیں، مدائنی نے اپنے مولد و منشاء میں رہکر انھیں حضرات سے تعلیم حاصل کی اور یہاں کے شیوخ سے احادیث کی روایت کی، ان کے شیوخ و اساتذہ میں یہ بصری علماء نمایاں مقام و مرتبہ کے مالک ہیں، حمادؒ بن سلمہ بصری متوفی سنہ ۱۶۷ھ، مبارکؒ بن فضالہ بصری متوفی سنہ ۱۶۵ھ، ابو بکرؒ ہذلی (سلمی بن عبد اللہ بن سلمی) بصری متوفی سنہ ۱۶۷ھ، سلامؒ بن ابی مطیع بصری متوفی سنہ ۱۷۳ھ، اور ان کے تلامذہ میں خلیفہؒ بن خیاط متوفی سنہ ۲۴۰ھ، محمدؒ بن صالح قرشی بصری متوفی سنہ ۲۵۲ھ اور ابنؒ شبہ بصری متوفی سنہ ۲۶۲ھ قابل ذکر ہیں۔

مدائنی اپنے مولد و منشاء کی بلدی تاریخ پر خصوصی نظر رکھتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام بصرہ ہی کے زمانے میں ان کے علمی و تحقیقی ذوق میں پختگی آگئی تھی، چنانچہ ان کے شاگرد بلاذری نے تمصیر البصرۃ کے باب میں وہاں کے تاریخی آثار و علائم کے متعلق ان کی متعدد روایات درج کی ہیں، مثلاً ص ۳۴۹ پر حمام ابو بکرہ، ص ۳۵۰ پر احنف بن قیس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری اور گفتگو، ص ۳۵۳ پر قصر ہزار در، ص ۳۵۶ پر خطۂ زیادان، ص ۳۵۹ پر نہر یزید بن مہلب، ص ۳۶۰ پر قطعۂ ہطبان، اور ص ۳۶۱ پر خطۂ کوسجان کے بارے میں مدائنی کے حوالہ سے اہم معلومات درج ہیں۔

دیگر مقامات میں تحصیل علم مدائنی کے شیوخ و اساتذہ میں بصری، کوفی، مکی، مدنی، بغدادی سب ہی شامل ہیں، مگر یہ عجیب بات ہے کہ کتابوں میں ان کے کسی استاد یا علمی سفر کا ذکر نہیں ہے، صرف امام ذہبی نے العبر میں اتنا لکھا ہے۔

سمع ابن ابی ذئب وطبقتہ[1] مدائنی نے امام ابن ابی ذئب اور ان کے معاصرین سے حدیث کا سماع کیا ہے،

امام ابن ابی ذئب (محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب) مدنی متوفی سنہ ۱۵۹ھ مدینہ منورہ کے مفتی وفقیہ تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدائنی نے مدینہ منورہ کا سفر کرکے امام ابن ابی ذئب سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے، مدائنی کے شیوخ میں امام ابن ابی زائدہ (یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون کوفی) متوفی سنہ ۱۸۳ھ ہیں جو مدائن کے قاضی تھے، اور وہاں کے عہدۂ قضا ہی کے زمانہ میں فوت ہوئے، غالباً مدائنی نے وہاں کے زمانۂ قیام میں قاضی ابن ابی زائدہ سے روایت کی ہے، نیز اس زمانہ کے عام رواج کے مطابق مدائنی نے بصرہ، کوفہ، مکہ، مدینہ، مدائن اور بغداد کے ائمۂ حدیث وفقہ سے تحصیل وتکمیل کی ہوگی، یہ بلاد وامصار اس وقت اسلامی علوم کے دارالعلم اور ائمۂ دین کے گہوارے تھے،

شیوخ واساتذہ جیسا کہ معلوم ہوا مدائنی کے شیوخ واساتذہ کے نام ان کے تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھے ہیں صرف امام ذہبی نے سمع ابن ابی ذئب وطبقتہ لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مدائنی نے امام ابن ابی ذئب کے علاوہ ان کے معاصر ائمۂ حدیث سے سماع وروایت کا شرف پایا ہے۔

ذیل میں ہم مدائنی کے چند شیوخ واساتذہ کے نام پیش کرتے ہیں، جو ان کے دو شاگردوں کی کتابوں میں ان سے روایت کے سلسلے میں ملتے ہیں، خلیفہ بن خیاط کی تاریخ خلیفہ، اور بلاذری کی فتوح البلدان ہمارے پیش نظر ہے، ان ہی دونوں کتابوں سے مدائنی کے اساتذہ کے نام درج کئے جاتے ہیں، اگر بلاذری کی انساب الاشراف اور طبری کی تاریخ وغیرہ میں تلاش وجستجو کی جائے تو مزید نام مل سکتے ہیں، ان دونوں مؤرخوں نے بعض مقامات پر مدائنی کے شیوخ اجمالی طور سے

---

[1] العبر فی خبر من غبر صہ ۲۹۱ ج ۱ وشذرات الذہب صہ ۵۴ ج ۲

بیان کئے ہیں، مثلاً خلیفہ نے ایک مقام پر لکھا ہے،

وحدثنی علی بن محمد عن اشیاخہ صہ ۱۵ اور بلاذری نے ایک جگہ وحدثنی المدائنی عن اشیاخہ صہ ۳۷۵ اور دوسری جگہ وحدثنی المدائنی علی بن محمد بن ابی سیف عن اشیاخہ صہ ۲۹۰ لکھا ہے۔

خلیفہ اور بلاذری کی کتابوں میں مدائنی کی جو روایات موجود ہیں ان کی پوری سند نقل کردی گئی ہے، تاکہ ان کے سلسلۂ سند کے رواۃ ورجال کے نام بھی معلوم ہوجائیں جس سے ان کے علمی مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوگا۔ جن اساتذہ کے حالات فی الحال مل سکے ان کا مختصر تعارف لکھدیا ہے، ان میں ائمۂ حدیث وفقہ، عُبّاد وزُہّاد اور علمائے تاریخ وسیر سب ہی شامل ہیں۔

(۱) حدثنی علی بن محمد، عن اسحاق بن ابراہیم الازدی (خلیفہ صہ ۹۲)

(۲) علی بن محمد، عن ایوب بن عتبہ عن یحییٰ بن ابی کثیر، عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن (خلیفہ صہ ۸۸)

ابو یحییٰ ایوب بن عتبہ متوفی سنہ ۱۶۰ھ قاضئ یمامہ بنی قیس ثعلبہ سے ہیں، انھوں نے یحییٰ بن ابی کثیر، عطاء بن ابی رباح، قیس بن طلق حنفی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوداؤد طیالسی، اسود بن عامر بن شاذان، قاضی ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، ابوالنضر ہاشم بن قاسم، آدم بن ابی ایاس وغیرہ نے روایت کی ہے[1]۔

(۳) حدثنی المدائنی عن ابی اسمٰعیل الطائفی، (بلاذری صہ ۶۷)

(۴) وحدثنا ابوالحسن عن بقیۃ بن عبدالرحمٰن، عن ابیہ (خلیفہ صہ ۳۱۶)

(۵) وحدثنی المدائنی عن جہم بن حسان (بلاذری صہ ۳۳۷)

---

[1] تاریخ بغداد ج، ص ۳ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۰۸

(۶) ابوالحسن، عن حباب بن موسیٰ، عن عاصم بن بہدلۃ، عن زر بن جبیش، (خلیفہ ص۱۲۷) ابوالحسن عن حباب بن موسیٰ، عن جابر عن ابی الحمسا (ایضاً ص۲۱۹)

ان کے شیخ عاصم بن بہدلہ کوفی متوفی ۱۲۷ھ ابن ابی النجود کی کنیت سے مشہور ہیں، اور یہ مشہور قاری ہیں۔

(۷) فحدثنی علی بن محمد، عن حماد بن سلمۃ، عن علی بن زید، عن سعید بن مسیب (خلیفہ ص۵۶) وحدثنا علی بن محمد وموسیٰ بن اسمٰعیل، عن حماد بن سلمۃ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ (ایضاً ص۷۰، ص۸۲، ص۸۷، ص۱۰۶)

ابوسلمہ حماد بن سلمہ بن دینار بصری متوفی ۱۶۷ھ مفتی بصرہ، مشہور ائمہ دین میں ہیں، مولیٰ تیم یا مولیٰ قریش ہیں، انھوں نے ثابت بنانی، قتادہ، حمید الطویل، انس بن سیرین، ہشام بن عروہ کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی جماعت سے روایت کی، اور ان سے ابن جریج، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، شعبہ، قطان وغیرہ نے روایت کی[۱]

(۸) ابوالحسن، عن خلاد بن عتبہ، عن علی بن زید، عن عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ (خلیفہ ص۱۲۷) خلاد بن عتبہ کے شیخ ابوالحسن علی بن زید بن عبداللہ بن ابی ملیکہ تیمی، بصری متوفی ۱۲۹ھ مشہور محدث ہیں۔

(۹) حدثنا علی بن محمد بن ابی سیف، عن سلام بن ابی مطیع، عن قتادۃ، عن سعید بن مسیب (خلیفہ ص۲۹، ص۹۰) ابوسعید سلام بن ابی مطیع بصری متوفی ۱۶۳ھ بصرہ کے خطبا، وعقلا میں سے تھے، انھوں نے ابوعمران جونی اور ائمہ حدیث کی ایک بڑی جماعت سے روایت کی ہے، امام احمد نے ان کو ثقہ صاحب سنت بتایا ہے[۲]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱ [۲] العبر ص۲۶۳،

(۱۰) ابوالحسن، عن سلمہ بن عثمان، عن زید بن علی، عن عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ (خلیفہ ص۱۱۳)

سلمہ بن عثمان کوفی متوفی (۸۳ھ) نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مرسل حدیث کی روایت کی ہے، جسے ان کے بھانجے مسعر نے ان سے سنا ہے[۱]

(۱۱) فحدثنا علی بن محمد، عن عبداللہ بن عمر الانصاری عن ہشام بن عروۃ، عن ابیہ (خلیفہ ص۸۰)

ان کے شیخ ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام اسدی متوفی ۱۴۶ھ مشہور تابعی اور محدث ہیں،

(۱۲) وحدثنی المدائنی، عن عبداللہ بن القاسم عن فروۃ بن لقیط (بلاذری ص۳۲۳)

(۱۳) حدثنا علی عن عبدالرزاق عن معمر عن قتادۃ عن الحسن، (خلیفہ ص۲۲۴)

ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی متوفی ۲۱۱ھ مشہور امام و حافظ حدیث ہیں، انھوں نے اپنے والد ہمام، چچا وہب اور معمر عبیداللہ بن عمر، ابن جریج، امام مالک، امام اوزاعی، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے استاد سفیان بن عیینہ اور معتمر بن سلیمان کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے روایت کی ہے[۲] حدیث میں ان کی مشہور کتاب المصنّف چھپ گئی ہے،

(۱۴) وحدثنی (علی بن محمد بن ابی سیف) عن ابن المبارک عن مجالد عن الشعبی (خلیفہ ص۱۴۱)

حضرت ابوعبدالرحمٰن، عبداللہ بن مبارک مروزی متوفی ۱۸۱ھ مشہور ائمہ اسلام میں سے ہیں، انھوں نے موسیٰ بن عقبہ، ابن ابی ذیب، اعمش، ہشام بن عروہ، اوزاعی، شعبہ، سفیان ثوری، لیث بن سعد، امام مالک وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے معمر بن راشد ابن عیینہ، معتمر بن سلیمان وغیرہ نے روایت کی، ان کے تلامذہ اور انکے شیوخ واقران کی بڑی تعداد ہے[۳]

---

[۱] تاریخ کبیر بخاری ج ۲ قسم ا ص ۸۱ [۲] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۱ [۳] العبر ج ۵ ص ۳۸۲،

(۱۵) قال علی، عن عثمان بن عبد الرحمٰن (خلیفہ ص۸۰) وحدثنی علی بن محمد عن عثمان بن عبد الرحمٰن، عن الزہری (ایضاً ص۷۹، ۸۳، ۹۹)

ابو عمر عثمان بن عبد الرحمٰن زہری متوفی ایام خلیفہ ہارون، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد سے ہیں، وقاصی اور مالکی کی نسبت سے بھی مشہور ہیں، عطار بن ابی رباح، نافع مولی بن عمر، محمد بن منکدر، ابن شہاب زہری اور سابق بربری سے روایت کی، حجازی ہیں، بغداد میں حدیث کی روایت کی[1]

(۱۶) علی بن محمد، عن المبارک بن فضالہ عن الحسن (خلیفہ ص۷۰) ابوالحسن عن مبارک بن فضالہ، عن معاویہ بن قرہ، (ایضاً ص۷۱) علی بن ابی سیف عن المبارک بن فضالہ۔ عن الحسن (ایضاً ص۱۳۱)

ابو فضالہ مبارک بن فضالہ بن ابی امیہ بصری متوفی ۱۶۵ھ مولی زید بن خطاب نے حسن بصری، بکر بن عبد اللہ مزنی، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ سے روایت کی، تیرہ چودہ سال تک امام حسن بصری کے حلقۂ درس میں شریک رہے، نہایت عابد و زاہد تھے[2]

(۱۷) وحدثنا علی بن محمد، عن ابن ابی ذئب، عن الزہری، عن سالم عن ابیہ (خلیفہ ص۸۴)

ابو الحارث محمد بن عبد الرحمٰن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب، ہشام بن شعبہ مدنی متوفی ۱۵۸ھ ابن ابی ذئب کی کنیت سے مشہور ہیں، عکرمہ مولی بن عباس، نافع مولی ابن عمر، سعید بن ابی سعید مقبری سے روایت کی۔ اور ان سے سفیان ثوری، معمر بن راشد، عبد اللہ ابن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، واقدی وغیرہ نے روایت کی، مدینہ منورہ میں فتویٰ دیتے تھے، فقہائے مدینہ میں سے تھے، تمام رات عبادت و ریاضت میں گزارتے تھے۔[3]

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۷۹، ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹ ۳؎ ایضاً ج ۹ ص ۳۰۳،

(۱۸) ابو الحسن عن محمد بن صالح الثقفی عن ابن جریج عن ابن ابی ملیکہ (خلیفہ ص۲۰۶)

(۱۹) قال ابو الحسن عن علی بن سلیم (خلیفہ ص۲۲۴)

ابو سلیم علی بن سلیم الجزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور ان سے مسعر اور ابو عوانہ نے روایت کی[1]

(۲۰) علی بن محمد عن علی بن مجاہد، عن حنش بن مالک (خلیفہ ص۱۴۵) وحدثنی المدائنی عن علی بن مجاہد، عن محمد بن اسحٰق، عن الزہری (بلاذری ص۳۲۲)

قاضی ابو مجاہد علی بن مجاہد بن رفیع کابلی متوفی بعد سنہ ۱۸۰ھ قبیلہ کندہ یا عبد القیس کے مولی اور مدائنی کے ہم وطن یعنی کابل کے موالی میں سے تھے، ان کی کتاب المغازی مشہور ہے[2]، انھوں نے ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن سندی مدنی، موسیٰ بن عبیدہ ربذی مسعر، محمد بن اسحاق، یونس بن ابو اسحاق، عنبہ بن سعید، حجاج بن ارطاۃ، سفیان ثوری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے جریر بن عبد الحمید، محمد بن عیسیٰ بن طباع، ابو صالح سلمویہ، احمد بن حنبل وغیرہ نے روایت کی۔[3]

(۲۱) وحدثنی المدائنی عن علی بن حماد، وسحیم بن حفص وغیرہما (بلاذری ص۳۰۰)

(۲۲) وحدثنی علی عن قراد عن عثمان بن معاویۃ عن ابیہ عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ (خلیفہ ص۱۴۳)

ابو نوح عبد الرحمٰن بن غزوان خزاعی بغدادی متوفی ۲۰۷ھ مولی عبد اللہ بن مالک کا لقب قراد ہے، انھوں نے عوف، شعبہ اور حجاج وغیرہ سے روایت کی، امام احمد نے ان کو عقلاء میں شمار کیا ہے، علی بن مدینی نے ثقہ کہا ہے اور ابن معین نے لاباس بہ بتایا ہے۔[4]

۱؎ تاریخ کبیر بخاری ج ۳ قسم ۲ ص۲۷۷، ۲؎ ایضاً ج ۳ قسم ۲ ص ۹۰، ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۷، ۴؎ طبقات ابن سعد ج ۷ ص۳۳۵

(۲۳) وحدثنی المدائنی عن علی بن حماد وسحیم بن حفص وغیرھما (بلاذری ص۳۰۰)

ابوالیقظان سحیم بن حفص متوفی سنہ ۱۹۰ھ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، انساب عرب کے زبردست عالم ومصنف ہیں، مدائنی نے کہا ہے کہ سحیم انکا لقب ہے، اصل نام عامر بن حفص ہے، حفص کے سب سے بڑے لڑکے کا نام محمد تھا، جس کی وجہ سے ان کی کنیت ابومحمد تھی، اور ان کا رنگ سیاہ تھا، اس لئے اسود کے نام سے بھی مشہور تھے، اور ابوالیقظان کا بیان ہے کہ ان کی والدہ نے پندرہ دن تک انکا نام عبیداللہ رکھا تھا، اس کے بعد مدائنی نے بتایا کہ جب ہم بسلسلۂ روایت ابوالیقظان کہوں تو یہی ابوالیقظان مراد ہیں، اور اگر سحیم بن حفص عامر بن حفص، عامر بن ابومحمد، عامر بن اسود، سحیم بن اسود، عبیداللہ بن حفص، اور ابواسحٰق کہوں تو بھی یہی ابوالیقظان مراد ہوتے ہیں۔[1]

(۲۴) قال ابوالحسن، عن الھذلی (خلیفہ ص۲۰۱) قال ابوالحسن عن الھذلی، عن الجارود بن ابی سبرۃ، عن سنان بن سمرۃ بن المحبق الھذلی (" ص۲۰۲) فحدثنا ابوالحسن عن الھذلی عن قتادۃ. (" ص۲۰۳) وحدثنی المدائنی عن ابی بکر الھذلی والعباس بن ھشام عن ابیہ، عن عوانۃ، (بلاذری ص۳۵۰)

ابوبکر سلمہ بن عبداللہ بن سلمی ہذلی بصری متوفی سنہ ۱۶۷ھ تواریخ واخبار کے مشہور عالم ہیں امام شعبی اور معاذۃ العدویہ اور دوسرے اہل علم سے روایت کی ہے،[2]

(۲۵) وحدثنی علی بن محمد، عن النضر بن اسحٰق، عن قتادہ (خلیفہ ص۱۱۹)

ان کے شیخ حضرت قتادہ بصری متوفی سنہ ۱۱۷ھ مشہور تابعی ہیں،

(۲۶) علی بن محمد، عن مسلمہ عن داؤد، عن عامر، وابی معشر (خلیفہ ص۹۱) علی بن محمد عن مسلمہ بن محارب، عن داؤد بن ابی ھند (خلیفہ ص۱۲۲، ص۱۷۱، ص۲۰۲) حدثنا ابوالحسن عن مسلمہ بن محارب عن حرب بن خالد بن یزید بن معاویہ (" ص۲۱۹) وحدثنی علی بن محمد المدائنی عن مسلمہ بن محارب وغیرہ (بلاذری ص۲۰۶)

مسلمہ بن محارب بن سلیم بن زیاد زیادی متوفی سنہ ھ نے اپنے والد محارب سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے زیاد کے پاس لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عجم کے غیرمسلم یا اعدائے اسلام کسی قوم سے مقابلہ کے وقت میری مدد نہ کریں،[1]

(۲۷) ابوالحسن عن ابی معشر عن زید بن اسلم وغیرہ (　)

ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندی مدنی متوفی سنہ ۱۷۰ھ مولی بنی ہاشم صاحب المغازی اور باتفاق اہل علم اعلم الناس بالمغازی ہیں، انھوں نے نافع مولیٰ بن عمر، ہشام بن عروہ، موسی بن یسار، محمد بن منکدر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے سفیان ثوری ابن مہدی وکیع، قاضی ابویوسف، وغیرہ نے روایت کی ہے، اخباری ہونے کے ساتھ حافظ حدیث وفقیہ تھے ان کی کتاب المغازی بہت مشہور رہے۔[2]

(۲۸) وحدثنی علی بن محمد بن ابی الذیال، عن حمید بن ھلال (خلیفہ ص۱۳۳)

(۲۹) وحدثنی علی بن محمد المدائنی عن ابی المحمد الھندی عن ابی الفرج (بلاذری ص۴۳۶)

ابومحمد ہندی بغدادی مولی بنی تمیم ہیں، انھوں نے ابوالفرج کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ راجہ داہر کے قتل کے بعد محمد بن قاسم پورے سندھ پر قابض ہوگئے۔[3]

(۳۰) حدثنی علی بن محمد، عن ابی زکریا العجلانی (العجلی) عن ابی الزبیر عن

---

[1] الفہرست ص ۱۳۸ [2] العبر ج ۱ ص ۲۵۷

[1] تاریخ کبیر ج ۴ ص ۳۸۰، [2] تاریخ بغداد وتہذیب التہذیب وغیرہ، [3] فتوح البلدان ص ۴۲۶ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۲۰ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۶،

جابر بن عبد اللہ (خلیفہ ص۲۵) وحدثنا علی بن محمد عن ابی زکریا یحیی بن معین (یمان) العجلانی (العجلی) عن سعد بن اسحٰق عن ابیہ (ایضاً ص۸۳) حدثنا ابوالحسن عن ابی زکریا العجلانی (العجلی) عن نافع، عن ابن عمر (ایضاً ص۱۹۰)

ابوزکریا یحییٰ بن یمان عجلی کوفی متوفی سنہ ۱۸۹ھ نے اپنے والد کے علاوہ ہشام بن عروہ، اعمش، اسمٰعیل بن ابو خالد، معمر، منہال بن خلیفہ، سفیان ثوری، حمزہ بن زیات وغیرہ سے روایت کی، امام سفیان ثوری کے علوم کے سب سے زیادہ ناشر ہیں، بڑی متقشفانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، کثرت عبادت کی وجہ سے راہب کہے جاتے تھے، بغداد میں حدیث کی روایت کی۔[1]

(۳۱) علی بن محمد، عن یحییٰ بن زکریا، عن مجالد، عن الشعبی (خلیفہ ص۱۶۳)

ابوسعید بن زکریا بن ابوزائدہ خالد بن میمون بن فیروز ہمدانی کوفی متوفی سنہ ۱۸۳ھ ابن ابی زائدہ کی کنیت سے مشہور رہیں، حلقۂ موالی سے ہیں، اپنے والد کے علاوہ اعمش، عبداللہ بن عون، عاصم الاحول، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری، داؤد بن ابو ہند وغیرہ سے روایت کی ہے، ایک قول کے مطابق امام ابن ابی زائدہ نے کوفہ میں سب سے پہلے حدیث کی تدوین کی ہے، امام ابو حنیفہؒ کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کا قول ہے کہ یحییٰ بن ابی زائدہ علم حدیث میں معطر دلہن کے مانند ہیں، ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ وہ مدائن میں قاضی تھے، اور بزمانۂ قضا ہی سنہ ۱۸۳ھ میں فوت ہوئے،[1] غالباً مدائنی نے اسی زمانہ میں ان سے روایت کی جب کہ دونوں مدائن میں سکونت پذیر تھے۔

(۳۲) ابوالحسن، عن یعقوب بن داؤد الثقفی (خلیفہ ص۹۹)

(۳۳) قاضی علی بن محمد، روی عن موسی بن عقبہ (خلیفہ ص۱۰)

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۰۸

موسیٰ بن عقبہ بن ابو عیاش مدنی متوفی سنہ ۱۴۱ھ مولی آل الزبیر نے حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کا زمانہ پایا ہے، ام خالد صحابیہؓ سے روایت کی ہے، ان کی کتاب المغازی نہایت مستند ہے، امام مالکؒ کا قول ہے کہ مدینہ میں ان سے بڑا مغازی کا کوئی عالم نہیں ہے، تم لوگ اس مرد صالح کی کتاب المغازی کو پڑھو پڑھاؤ کیونکہ وہ اس بارے میں صحیح ترین کتاب ہے۔[1]

غالباً مدائنی کی روایت موسیٰ بن عقبہ سے براہ راست نہیں ہے ان کی وفات کے وقت مدائنی کی عمر چھ سال کی تھی۔

(۳۴) قال ابوالحسن، عن شیخ من الانصار، والمصعبی وغیرهم (خلیفہ ص۵۹۳)

(۳۵) قال ابوالحسن عن رجل من اهل مكة عن صالح بن كیسان عن عبدالعزیز بن مروان (خلیفہ ص۲۱۵)

(۳۶) محمد بن احمد بن القاسم حدثنا المدائنی، حدثنا ابوبکر بن ابی النضر، حدثنا ابو النضر، حدثنا عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن دینار عن ابی حازم، عن سهیل بن سعد الساعدی (تاریخ جرجان ص۳۹۸)

ابوبکر بن ابی النضر ہاشم بن قاسم کنانی متوفی سنہ ۲۴۵ھ نے اپنے والد ابو النضر سے اور قراد ابو نوح، محمد بن بشر عبدی، اسود بن عامر قعنبی سے روایت کی اور ان سے امام بخاری، امام مسلم، ابو قدامہ سرخسی، ابو حاتم رازی نے روایت کی ہے،[2]

(۳۷) ابو سالك الخزاعی عن ابی الحسن المدائنی عن کلیب بن خلف عن ادریس بن حنظلة قال الخ (تاریخ جرجان ص۹)

چچ نامہ میں سندھ کی فتوحات کے سلسلہ میں مدائنی کی جو روایات ہیں، ان میں ان

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۶۰ [2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۸۶

اساتذہ کے نام ملتے ہیں، اسحٰق بن ایوب، بشر بن خلید، حاتم بن قبیصہ بن مہلب ازدی، عبدالرحمٰن بن عبدربہ یشکری، ابو اللیث ہندی مولیٰ بنی تمیم،

مدائنی کے مذکورۂ بالا شیوخ و اساتذہ کے نام اور ان کے سلسلۂ سند کے رواۃ رجال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ائمۂ حدیث و فقہ کی تعداد علمائے تواریخ و اخبار سے کہیں زیادہ ہے، ان میں چند نام ایسے بھی ہیں جن سے مدائنی نے کسی خاص واقعہ یا محدود واقعات کی روایت کی ہے۔

اصحاب و تلامیذ دوسری اور تیسری صدی کا زمانہ دینی علوم و فنون کے شیوخ و اصحاب کی کثرت کے لحاظ سے مشہور ہے چنانچہ ہر اسلامی شہر میں زیادہ سے زیادہ معلمین و متعلمین نظر آتے تھے، اسی دور میں مدائنی نے بھی علمی و دینی سرگرمی میں حصہ لیا اور بہت سے اہل علم نے ان سے فیض حاصل کیا، جن میں ائمۂ حدیث، اور علماء تواریخ و اخبار سب ہی شامل ہیں، مگر ان کے اساتذہ کی طرح انکے تلامذہ کے نام بھی ان کے تذکرہ میں نہیں ملتے ہیں، صرف خطیب بغدادی نے روی عنہ لکھکر ان کے پانچ تلامذہ زبیر بن بکار، احمد بن ابی خیثمہ، احمد بن حارث الخزاز، حارث بن ابو اسامہ اور حسن بن علی بن متوکل کے نام کی تصریح کرکے وغیرہم لکھا ہے، جن کو سمعانی اور یاقوت نے بھی نقل کیا ہے[1] کتب طبقات و رجال میں تلاش و جستجو سے مدائنی کے تلامذہ کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے، چنانچہ ان کے دو ممتاز شاگرد جو ان کے بالکل ہم مذاق اور اس درجہ متاثر تھے کہ انھوں نے بھی اپنے استاد کے تتبع میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے دلچسپی لیکر اپنی تصانیف میں یہاں کے غزوات و فتوحات، اخبار و احداث اور امارات و ولایات کو خاص طور سے بیان کیا، یعنی خلیفہ بن خیاط اور ابو الحسن بلاذری، ان کے نام بھی

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۵۴، کتاب الانساب ج ۲ ص ۵۱۵، معجم الادباء ج ۵ ص ۳۰۹

مدائنی کے تلامذہ میں نہیں، حالانکہ مدائنی سے انھوں نے براہ راست بہت زیادہ روایت کی ہے،

(۱) ابو عمرو خلیفہ بن خیاط شیبانی عصفری متوفی سنہ ۲۴۰ھ شباب کے لقب سے مشہور ہیں، تواریخ و ایام کے حافظ، رواۃ حدیث کے ناقد و مبصر، اور مستقیم الحدیث و صدوق ہیں، سفیان بن عیینہؒ، یزید بن زریع، ابو داؤد طیالسی وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح اور تاریخ کبیر میں روایت کی ہے نیز ابو یعلی موصلی، عبداللہ بن امام احمدؒ، حسن بن سفیان ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے۔[1] بسلسلہ تحصیل علم خلیفہ کے بصرہ سے باہر جانے کی تصریح نہیں ملتی ہے، اغلب یہ ہے کہ انھوں نے مدائنی سے ان کے قیام بصرہ کے زمانہ ہی میں کسبِ علم کیا ہے، تاریخ خلیفہ اور طبقات خلیفہ دونوں کتابیں چند سال ہوئے چھپ گئی ہیں، تاریخ خلیفہ ہمارے پاس موجود ہے، جو تاریخ سنین پر قدیم ترین کتاب مانی جاتی ہے، خلیفہ نے اس میں سنہ ۱ھ سے ۲۳۲ھ تک کے اہم واقعات اور وفیات اختصار کے ساتھ درج کئے ہیں، اس میں انھوں نے پچاس سے زائد روایات اپنے استاد مدائنی کی درج کی ہیں، اور اکثر مقامات پر علی، علی بن محمد، ابو الحسن لکھا ہے، بعض جگہوں میں ان کا پورا نام علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف بھی لکھا ہے، مگر کہیں مدائنی کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ نے بصرہ ہی میں ان سے روایت کی ہے، اس کتاب میں خلیفہ نے سنین کے ماتحت ہندوستان کے غزوات و فتوحات اور احوال بیان کئے ہیں، جو یہاں کے بارے میں نہایت اہم اور نادر معلومات ہیں اور دوسری کسی کتاب میں نہیں ملتی ہیں، مگر یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان کے واقعات میں کہیں مدائنی کا نام نہیں لیا ہے، بلکہ واقعات دوسروں کی روایت سے اور بعض بغیر سند کے درج کئے ہیں، جب کہ دوسرے

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۶۱ ابن خلکان ج ۱ ص ۱۹۰

بہت سے واقعات مدائنی سے نقل کئے ہیں، یہ کتاب مدائنی کی زندگی میں لکھی گئی ہے۔

(۲) ابو الحسن احمد بن یحیٰی بن جابر بن داؤد بلاذری بغدادی متوفی ۲۷۹ھ نہایت ثقہ اور مشہور مورخ و نساب ہیں، ان کی تصانیف میں سے فتوح البلدان کے علاوہ انساب الاشراف کا معتدبہ حصہ چھپ چکا ہے، ان دونوں کتابوں میں بلاذری نے اپنے استاد مدائنی کی بہت سی روایتیں درج کی ہیں، صرف فتوح البلدان کے مختلف مقامات میں پچیس[25] سے زائد روایات ان سے منقول ہیں، اس کے باب فتوح السند کی ابتدا ہی اخبرنا علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف سے کی ہے، درمیان میں بھی ان کے نام کی تصریح کے ساتھ واقعات بیان کیے ہیں، بعض محققین کا خیال ہے کہ فتح سندھ کا پورا باب مدائنی کی کتاب یا روایت سے ماخوذ ہے البتہ بعض دوسرے رواۃ کے نام تائیدی طور سے آگئے ہیں یا کوئی نئی بات دوسرے سے نقل کی ہے، بلاذری نے اس کتاب میں عام طور سے ابو الحسن اور علی بن محمد کے ساتھ المدائنی کی نسبت ظاہر کی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے بغداد میں مدائنی سے روایت کی ہے، اور اس وقت وہ قیام مدائن کی وجہ سے مدائنی کی نسبت سے مشہور ہو چکے تھے،

(۳) ابو جعفر احمد بن حارث بن مبارک الخزاز بغدادی متوفی ۲۵۸ھ مولی خلیفہ ابو جعفر منصور، صاحب المدائنی کی نسبت سے مشہور ہیں، ابن ندیم نے ان کو "راویۃ المدائنی" لکھا ہے، اور ان کی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے، خطیب نے لکھا ہے کہ احمد بن حارث الخزاز نے مدائنی سے ان کی تصانیف کی روایت کی ہے، وکان صدوقاً من اھل الفھم والمعرفۃ' ان سے امام ابو بکر بن ابی الدنیا، ابو سعید سکری نحوی، ابو احمد جریری نے روایت کی ہے، نہایت وجیہ و شکیل تھے، سر بڑا، داڑھی لمبی چوڑی اور دہن کشادہ تھا،

انتقال سے ایک سال قبل سے سرخ خضاب استعمال کرنے لگے تھے، کہتے تھے کہ میں نے سنا ہے کہ منکر نکیر میت پر خضاب دیکھ کر آسانی کرتے ہیں۔[1]

(۴) ابو بکر احمد بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب نسائی بغدادی متوفی ۲۷۹ھ مشہور حافظ حدیث ہیں، بقول خطیب بغدادی نہایت ثقہ حافظ حدیث ہیں، مختلف فنون کے جامع، اخبار و ایام میں صاحب نظر، اور ادب کے امام ہیں، ہر فن اس کے مشہور و مستند امام سے حاصل کیا ہے، چنانچہ علم حدیث یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبلؒ سے علم الانساب مصعب بن عبد اللہ زبیری سے ایام الناس ابو الحسن مدائنی سے، اور علم ادب و عربیت محمد بن سلام جمحی سے حاصل کیا، ان کی کتاب التاریخ الکبیر کے بارے میں خطیب نے لکھا ہے کہ یہ ان کی بہترین و مفید ترین تصنیف ہے، اس سے بہتر اور مفید کوئی تاریخ میرے علم میں نہیں ہے، وہ اس کتاب کی روایت بالمشافہ کرتے تھے، تاریخ ابن ابی خیثمہ کی روایت و سماعت امام ابو القاسم بغوی جیسے اکابر شیوخ نے کی ہے۔[2]

(۵) ابو محمد حارث بن محمد بن ابو اسامہ تمیمی متوفی ۲۸۲ھ نے مدائنی کے علاوہ علی بن عاصم یزید بن ہارون، محمد بن عمر واقدی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو بکر بن ابی الدنیا اور امام محمد بن جریر طبری نے روایت کی، حارث بن ابو اسامہ کی روایت سے امام طبری اور خطیب نے مدائنی کے بعض اہم حالات بیان کئے ہیں، محمد بن محمد اسکافی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابراہیم حربی سے حارث بن ابو اسامہ کے بارے میں سوال کیا اور کہا میں ان سے حدیث کا سماع کرنا چاہتا ہوں مگر وہ اسپر درہم وصول کرتے ہیں تو امام ابراہیم حربی نے کہا کہ تم ان سے حدیث حاصل کرو کیونکہ وہ ثقہ ہیں، ۲۸۲ھ میں چھیانوے[96] سال کی

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۲۳، [2] فہرست ابن ندیم ص ۱۵۲، [3] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۶۳، العبر ج ۲ ص ۹۲،

عمر میں فوت ہوئے۔ [1]

(۶) ابو عبد اللہ زبیر بن بکار بن عبد اللہ بن مصعب مدنی متوفی ۲۵۶ھ نے ابو الحسن مدائنی، سفیان بن عیینہ، ابو حمزہ انس بن عیاض، نضر بن شمیل وغیرہ سے روایت کی، مکہ مکرمہ کے قاضی تھے، بغداد میں حدیث کی روایت کی، نہایت ثقہ و ثبت محدث تھے، ساتھ ہی انساب و اخبار کے زبردست عالم تھے، ان کی کتاب جمہرۃ نسب قریش و اخبارہا کا معتد بہ حصہ چھپ چکا ہے، اور میرے پاس ہے، اس کتاب میں بعض واقعات مدائنی سے مروی ہیں مثلاً صفحہ ۳۰۸ پر وحدثنی ابو الحسن المدائنی وغیرہ ہے، زبیر بن بکار چوراسی سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔ [2]

(۷) ابو محمد حسن بن علی بن متوکل بن میمون متوفی ۲۹۱ھ مولی عبد الصمد بن علی ہاشمی نے ابو الحسن مدائنی، شریح بن نعمان، عاصم بن علی، عفان بن مسلم، خالد بن ابو یزید قرنی سے روایت کی، خطیب نے ان کو ثقہ بتایا ہے۔ [3]

(۸) ابو عبد اللہ محمد بن صالح بن مہران بصری قرشی متوفی ۲۵۲ھ مولی بنی ہاشم ہیں، ابو التیاح کی کنیت سے مشہور ہیں، اپنے والد کے علاوہ ابو الحسن مدائنی، ابو سلمہ محمد بن عبد اللہ انصاری، ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ، اسد بن عمرو بجلی، عون بن کہمس بن حسن، معتمر بن سلیمان اور واقدی وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے عباس بن جعفر بن ابو طالب، عبد اللہ بن احمد بن یونس، ابن ابی الدنیا، احمد بن علی خزاز وغیرہ نے روایت کی، بغداد میں حدیث کی روایت کی، ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، خطیب نے لکھا ہے کہ وہ اخباری، ماہر انساب اور سیر کے راوی تھے، کتاب الدولہ ان کی تصنیف ہے۔ [4]

[1] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۶۷ [2] ایضاً ج ۸ ص ۲۱۸ [3] ایضاً ج ۸ ص ۳۲۹ [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۲۷

(۹) ابو زید عمر بن شبہ بن عبیدہ بن ربطہ نمیری بصری متوفی ۲۶۲ھ مولی بنی نمیر ہیں، انھوں نے عبد الوہاب ثقفی، غُندر، ابو عاصم النبیل محمد بن سلام جُمحی، ہارون بن عبد اللہ، ابراہیم بن منذر سے روایت کی، ذہبی نے ان کو الحافظ الاخباری صاحب التصانیف لکھا ہے، ابن ندیم نے ابن شبہ کو شاعر، اخباری، فقیہ، صادق اللہجہ، غیر مدخول الروایہ کی صفات سے یاد کیا ہے، اور تواریخ و اخبار میں ان کی بائیس کتابوں کے نام بتائے ہیں، جن میں تاریخ مدینہ بھی ہے۔ [1]

مدائنی مدائن میں

مدائنی کی زندگی عراق کے تین شہروں میں بسر ہوئی، بصرہ میں پیدا ہوئے، اور یہیں نشو و نما پا کر ایک مدت تک رہے، پھر مدائن گئے، اور آخر میں بغداد پہنچے اور یہیں پیوند خاک ہوئے، خطیب نے لکھا ہے،

وھو بصری، سکن المدائن	وہ بصری ہیں مدائن میں رہے پھر وہاں
ثم انتقل عنها الی بغداد	سے بغداد منتقل ہو گئے، اور تا دم مرگ
فلم یزل بها الی حین	وہیں رہے۔
وفاته،	

اور ان کے شاگرد حارث بن ابو اسامہ کا بیان ہے،

وکان مولده ومنشؤه	ان کی ولادت اور نشو و نما بصرہ میں
بالبصرة، ثم سار الی المدائن	ہوئی، پھر مدائن گئے، اس کے بعد بغداد
بعد حین، ثم سار الی	چلے گئے، جہاں مقیم رہے یہاں تک کہ
بغداد فلم یزل بها حتی توفی بها	یہیں فوت ہوئے۔

(باقی)

[1] الفہرست ص ۱۴۳، [2] العبر ج ۲ ص ۲۵ [3] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۵۴ - ۵۵

دریافت تذکرۂ "حدیقۂ ہندی"

از جناب سید عارف نوشاہی مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، راولپنڈی

بھگوان داس ہندی (۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء ۔ زندہ ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء) نے فارسی شعرا کے احوال و اشعار پر دو کتابیں لکھ کر پاکستان و ہند میں فارسی تذکرہ نویسی میں وقیع اضافہ کیا، ان تذکروں کی خصوصیت اور اہمیت یہ ہے کہ ان میں مؤلف نے صرف برصغیر کے (یا یہاں مقیم بیرونی) شعراء کو جگہ دی ہے، ہمارا اشارہ مندرجہ ذیل دو تذکروں کی طرف ہے:

۱۔ سفینۂ ہندی۔ (تالیف در ۱۲۱۹۔۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۴۔۱۸۰۵ء) محمد شاہ بادشاہ کے جلوس ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء سے لے کر ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء (و ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء) کے درمیانی عرصہ میں موجود فارسی گو ہندوستانی شعرا کا تذکرہ ہے[1]، بھگوان داس "سفینۂ ہندی" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"حالا کہ یک ہزار و دو صد و نوزدہ ہجری مطابق جلوس سال چہل و ہفتم....

---

[1] "سفینۂ ہندی" کے مرتب جناب عطاء الرحمٰن کا اپنے مقدمہ میں یہ لکھنا صحیح نہیں کہ یہ تذکرہ شاہ عالم بادشاہ کے جلوس ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء سے شروع ہوتا ہے، بھگوان داس نے خود وضاحت کی ہے کہ "احوال شعرای معاصرین را از آغاز جلوس فردوس آرام گاہ از صد جا یکجا کردہ تالیفی دیگر ساختم...... باید دانست کہ مقصود...... از ذکر فردوس آرام گاہ اشارہ بہ محمد شاہ بادشاہ است" (سفینۂ ہندی، پٹنہ ص ۱)

شاہ عالم ثانی بادشاہ خلد اللہ ملکہ و ابقاہ است، احوال شعرای معاصرین را از آغاز جلوس فردوس آرام گاہ از صد جا یکجا کردہ تالیفی دیگر ساختم"[2]

تذکرہ "سفینۂ ہندی" (اور اس کے مؤلف) کا مفصل تعارف ڈاکٹر سید علی رضا نقوی نے اپنی کتاب "تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان" مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی علمی تہران ۱۹۶۸ء صفحہ ۵۰۰ تا ۵۱۱ اور احمد گلچین معانی نے "تاریخ تذکرہ ہای فارسی" مطبوعہ دانشگاہ تہران، تہران ۱۳۴۸ ہجری شمسی، جلد اول صفحہ ۳۶۰ تا ۳۶۱، درج کیا ہے، اس سے پہلے ۱۹۵۸ء میں سید شاہ محمد عطاء الرحمٰن کاکوی پروفیسر شعبۂ فارسی ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ کی ترتیب و تصحیح کے ساتھ "سفینۂ ہندی" ادارۂ مذکورہ کی طرف سے شائع ہو چکا تھا۔[3]

۲۔ حدیقۂ ہندی، (تالیف در ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء) یہ ابتدائے اسلام سے لے کر ۱۲۰۰ھ تک کے ہندی و پاکستانی شعراء کا تذکرہ ہے، بھگوان داس "سفینۂ ہندی" کے دیباچہ میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

"سابق در سنۂ یک ہزار و دویست تذکرۂ حدیقۂ ہندی مشتمل بر حالات شعرای ماضی و حال کہ در ہند تولد و نشو و نما یافتہ اند، بہ قید قلم شکستہ در آوردہ و بعضی علوم مفیدہ در و مندرج نمودہ، آن حدیقہ ایست جان افزا و آن تالیفی ست دل کشا"[4]

---

[2] بھگوان داس، سفینۂ ہندی، پٹنہ، ص ۱۔ [3] بھگوان داس ہندی اور سفینۂ ہندی کے بارے میں مزید دیکھیے،

۱۔ "انیس الاحبا" مؤلفہ موہن لعل انیس (تالیف در ۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۳ء) جناب عطاء الرحمان کاکوی نے "سفینۂ ہندی" پر اپنے مقدمے میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے، لیکن ہمیں ان کے اس خیال سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۶)

"سفینۂ ہندی" ہی میں اپنے ذاتی حالات کے ضمن میں جہاں وہ اپنی دوسری تصانیف کا ذکر کرتے ہیں، تذکرہ "حدیقۂ ہندی" کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"حدیقۂ ہندی" مشتمل بر حالات شعرای ماضی و حال کہ در ہندوستان جنت نشان تولد یا نشو و نما یافتہ اند، از ابتدای ظہور اسلام تا سنہ یک ہزار و دویست ہجری تالیف نمودہ، چنانچہ آن تالیف ہم تذکرہ و ہم تاریخ است۔"[1]

جس طویل مدت پر "حدیقۂ ہندی" محیط ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک مفصل اور مبسوط تذکرہ ہے، "سفینۂ ہندی" اس سے بعد کی تالیف ہے، سفینۂ ہندی کے محتویات بھی اس طرف اشارہ کرتے ہیں، جہاں مصنف نے اکثر تفصیلات اس لیے چھوڑ دی ہیں کہ وہ پہلے تذکرۂ "حدیقۂ ہندی" میں آ چکی تھیں، اس قسم کی شہادتیں ہمیں ابو المظفر عالی آفتاب (صفحہ ۲-۳)، نواب برہان الملک (صفحہ ۳۳-۳۶)، محمد فاخر مکین (صفحہ ۱۸۱-۱۸۷)، کے حالات کے سلسلے میں ملتی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ۔۔) اتفاق نہیں کہ "علاوہ ازین (انیس الاحبا) ہیچ جا ذکر ہندی مسطور نیست۔" (سفینۂ ہندی، عرض مرتب، صفحہ الف)، کیونکہ مندرجۂ ذیل کتب میں بھی بھگوان داس ہندی کا ذکر موجود ہے،

۲۔ "روز روشن" مولفہ مولوی محمد مظفر حسین صبا (تالیف در ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء) طبع اوّل مطبع شاہجہانی بھوپال، ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء، و طبع ثانی بتصحیح و تحشیہ محمد حسین رکن زادہ آدمیت، کتاب خانۂ رازی، تہران ۱۳۴۳ ہجری شمسی، طبع بھوپال صفحہ ۹۶-۹۷ اور صفحہ ۱۰۹ اور طبع تہران صفحہ ۱۰۹-۱۱۰ اور صفحہ ۱۲۴-۱۲۵ پر علی الترتیب بذیل بعنوان "بسمل، بھگوان داس لکھنوی" اور "بھگوان داس لکھنوی" ہمارے مولف کے حالات درج ہیں۔

۳۔ C.A. Story: Persian Literature London Luzac & Co: 1953

ج ۱ ق ۱ ص ۸۸۱-۸۸۲ (بحوالہ علی رضا نقوی: "تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، ص ۵۱۰)، [3] سفینۂ ہندی ص ا (حاشیہ ص ہذا)　[1] سفینۂ ہندی ص ۲۴۲

خود مولف کے ذاتی حالات بھی اسی "کفایت" کے شکار ہو گئے، "سفینۂ ہندی" میں اپنے مختصر احوال درج کر چکنے کے بعد وہ یہ اضافہ کرتے ہیں۔

"تمام این حالات مشرو حا در قصیدہ نسب نامہ منظم در آوردہ، داخل تذکرہ حدیقہ ہندی ساختہ ام، این مختصر گنجایش آن ندارد۔"[1]

تذکرۂ "سفینۂ ہندی" پر کام کرنے والے محققین نے تذکرہ "حدیقۂ ہندی" کے بارے میں اپنی آراء کا یوں اظہار کیا ہے۔

جناب عطا کاکوی۔

"ہندی صاحب تصانیف نثر و نظم بودہ، بہ نظم قدرت کامل داشت و در ہر صنف نظم، مثنوی، قصاید، غزلیات، رباعیات وغیرہ داد سخن می داد، دو دیوان و دو سہ مثنویات بر قدرت کلامش وال اند، در نثر یکے این تذکرہ (سفینۂ ہندی) و دیگرے سوانح النبوت مشتمل بر احوال رسول اکرمؐ و دوازدہ امامان نوشتہ، ولے این امر باعث حیرت است و موجب حسرت کہ آن ہمہ تصانیفش تا اکنون از نظر شایقین پوشیدہ اند، الا این تذکرہ کہ بنام سفینۂ ہندی مشہور است و یک نسخۂ واحد آن در کتب خانہ مشرقی خدا بخش خان (بانکی پور)، پٹنہ محفوظ است۔ پوشیدہ نماند کہ بھگوان داس یک ضخیم تذکرہ شعراے فارسی مشتمل بر احوال شعراے ماضی و حال در سنہ ۱۲۰۰ھ بنام حدیقۂ ہندی ہم تالیف کردہ بود، آن ہم ہنوز مفقود است۔"[2]

"سفینۂ ہندی" کے ضمیمۂ الف میں عطا کاکوی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

"ہیچ از تصانیف ہندی دستیاب نمی شود۔ صرف یک نسخۂ سفینۂ ہندی در کتبخانہ پٹنہ

[1] سفینۂ ہندی، ص ۲۴۳ [2] ایضاً، عرض مرتب صفحہ الف،

موجود است"[۱]

جناب ڈاکٹر نقوی :۔

"تذکرہ "حدیقۂ ہندی" مشتمل بر احوال "شعرای ماضی و حال" کہ در ہندوستان تولد یا نشو و نما یافتہ اند از ابتدای ظہور اسلام تا سنہ یکہزار و دویست ہجری این کتاب ہم تذکرہ و ہم تاریخ است"[۲]

بھگوان داس کی تمام تالیفات کا ذکر کر چکنے کے بعد حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

"غیر از "سفینۂ ہندی" نسخہ ای از ہیچکدام از کتب فوق امروز بجا نماندہ است"[۳]

جناب گلچین معانی :۔

"حدیقۂ ہندی۔ تذکرہ مہم و مفیدی است و قطعاً مؤلف آن بمنابع زیادی رجوع داشتہ، ولی بطوریکہ عطاء الرحمٰن کاکوی، در مقدمۂ سفینۂ ہندی (صفحہ الف) مذکور داشتہ، نسخۂ آن مفقود است"[۴]

۱۔ سفینۂ ہندی ص ۲۰۰، ۲، ۳، ۴ تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، ص ۱۰۳۔

بھگوان داس نے "سفینۂ ہندی" میں "حدیقۂ ہندی" کے علاوہ اپنی مندرجۂ ذیل تالیفات کا ذکر کیا ہے، (۱) سلسلۃ المحبت (مثنوی)، (۲) منظر الانوار (مثنوی)، (۳) مہر ضیا (مثنوی)، (۴) شوقیہ (دیوان)، (۵) ذوقیہ (دیوان)، (۶) سوانح النبوۃ (سیرۃ النبی و حالات دوازدہ امام) (ص ۲۴۲ - ۲۴۳)

مظفر حسین صبا نے تذکرہ "روز روشن" میں بھگوان داس لکھنوی کی ایک اور مثنوی "لعبت چین" کا ذکر کیا ہے، "مثنوی لعبت چین بکمال فصاحت و بلاغت موزون نمود" (طبع بھوپال ص ۱۰۹، طبع تہران ص ۱۴۴)، بظاہر یہ مثنوی "سفینۂ ہندی" کے بعد تالیف ہوئی ورنہ مصنف سفینۂ ہندی میں اپنی دوسری تالیفات کے ساتھ اس مثنوی کا بھی ضرور ذکر کرتے۔

۵۔ تاریخ تذکرہ ہای فارسی، تہران ۱۳۴۸ ھ ش ج ۱ ص ۴۲۶۔

اتنے اہم اور مفید تذکرہ کے مفقود ہونے کی خبر سے نہ صرف فارسی شعر و سخن سے گہرا شغف رکھنے والے لوگ مایوس تھے، بلکہ اس کے "عدم موجود" ہونے سے فارسی تذکرہ نویسی میں بالعموم اور ہند و پاکستان میں فارسی تذکرہ نگاری کی تاریخ میں بالخصوص ایک باب خالی پڑا تھا۔

ہم فارسی ادب کے علاقہ مندوں اور محققوں کو یہ خبر پہنچاتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں کہ بھگوان داس ہندی کے تذکرہ "حدیقۂ ہندی" کا ایک مخطوطہ قم (ایران) کے کتابخانۂ عمومی حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی مدظلہ العالی میں موجود ہے، آیۃ اللہ سید شہاب الدین نجفی مرعشی کا یہ ذاتی کتب خانہ اب پبلک لائبریری کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، اس کتب خانہ کے مخطوطات کی فہارس مرتبہ سید احمد حسینی کی پہلی پانچ جلدیں ہماری نظر سے گزری ہیں، فہرست کی دوسری جلد میں تذکرہ "حدیقۂ ہندی" کے بارے میں فہرست نگار نے جو معلومات فراہم کی ہیں، وہ بعینہ نقل کی جا رہی ہیں،

مخطوطہ نمبر ۹۰،

حدیقۂ ہندی (تراجم۔ فارسی)

از۔ بھگوانداس ہندی (ق ۱۳)

در سال ۱۲۰۰ پس از اینکہ مؤلف کتابہای بسیاری از تاریخ و تذکرہ ہا خواندہ و دادن بود و سہ مثنوی بنام "سلسلۃ المحبۃ" و "منظر الانوار" و "مہر ضیا" و دو دیوان بنام "شوقیہ" و "ذوقیہ" سرودہ بود، بر آن شد کہ کتابی بپردازد متضمن حالات امراء و وزراء و مشایخ و سخن سرایان از مرد و زن ہندی کہ دارای آثار شعری می باشند، در اثر این اندیشہ کتاب حاضر را با این فصول و ابواب تالیف نمود۔

باب اول :۔ وصف آصف الدولہ و میرزا محمد فاخر و وصف ہندوستان، در یک مقدمہ

و دزدرکن۔

باب دوم :۔ ذکر پردگیان معنی ، دارای چہار فصل

چمن اول :۔ پادشاہان وشاہزادگان شاعر

چمن دوم :۔ وزرا وامرای شاعر

چمن سوم :۔ مشایخ وفقرای شعر پرداز

چمن چہارم :۔ سایر شعرای صاحب حال

بستم جمادی الاول سال ۱۲۱۱ بپایان رسیدہ است۔[1]

آغاز : " آغاز سخن سپاس حضرت آفریدگاریست تعالیٰ شانہ کہ مشتی خاک را برگزیدہ بطغرای لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ انجام :

در میان سخنوران انام — نظم من محضر خردمندیست

ہندوم ہند زاد در بوم ذبت — زین دو باعث تخلصم ہندیست

نستعلیق ہندی ، شاید بخط مؤلف ، در حاشیہ تصحیح و اضافہ شدہ ، نسخہ را موریانہ خوردہ است ، عناوین شنگرف و دربخہ دوم نوشتہ نیست ، جلد تیماج قرمز ۲۶۳ گ (ورق) ، ۱۷ س ، ۵/۲۳/۵ / ۱۲ سم[2]

"حدیقہ ہندی" کا دریافت ہونا کیا کم خوشی کا مقام تھا مگر محولۂ بالا نسخہ رقم کے بارے میں یہ گمان کہ وہ مصنف کا خود نوشتہ ہے اور اسکے حواشی پر تصحیحات و اضافات بھی پائے جاتے ہیں ، مزید نشاط انگیز ہے ، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلی فرصت میں اس کرم خوردہ تذکرے کا عکس یا مائیکرو فلم حاصل کی جائے اور اسے جدید انداز میں مرتب کرکے شائع کردیا جائے ، تاکہ برصغیر کے بعض فارسی شعرا کے حالات اور آثار و اشعار کے بارے میں موجود خلا پُر ہوسکے ،

---

[1] غالباً بھگوان داس ۱۲۱۱ھ تک حدیقۂ ہندی پر اضافات کرتے رہے ہیں ، [2] سید احمد حسینی ، فہرست نسخہ ہای خطی کتاب خانہ عمومی حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی مدظلہ العالی

تلخیص وتبصرہ

افریقہ میں اشتراکیت کا خطرہ

از :۔ ضیاء الدین اصلاحی ،

اس وقت براعظم افریقہ پر قابض ہونے کے لئے مختلف عالمی قوتوں کے درمیان کشمکش برپا ہے ، ایک طرف اشتراکی تحریک یہاں اپنا اثر ونفوذ بڑھا رہی ہے ، دوسری طرف مغربی استعماری طاقتیں اس کو ہڑپ کرنے کی فکر میں ہیں ، تیسری طرف صیہونیت بھی استعمار پسندوں کی مدد سے اس براعظم کے ملکوں میں دخل انداز ہونا چاہتی ہے ،

ان عالمی قوتوں کے وسائل و ذرائع جدا جدا ہیں لیکن اسلام دشمنی میں سب متحد ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسی طاقت ہے جو ان کے سیاسی ، اجتماعی اور اقتصادی نظام کو پاش پاش کرسکتا ہے ۔

اسلام دشمنی سے قطع نظر کمیونزم کی افریقہ پر حریصانہ نظر اس لئے بھی ہے کہ یہ دنیا کے مالدار براعظموں میں ہے ، اس کا رقبہ کل کرۂ ارضی کے رقبہ کا ⅕ ہے جبکہ اسکے باشندے پوری دنیا کے باشندوں کے مقابلہ میں صرف آٹھ فیصدی ہیں ہر چیز کی عالمی پیداوار میں اس کا بڑا حصہ ہے ، دنیا کا ۹۰ فیصدی ہیرا ، ۵۵ فیصدی سونا اور ۲۵ فیصدی تانبا یہیں ہوتا ہے ، انکے علاوہ دوسری معدنی اور کیمیاوی اشیاء کی بھی بہتات ہے ، جنگلوں سے لکڑیاں اور چراگاہوں سے گھاس وافر مقدار میں ہوتی ہے ، سمندر سے حاصل ہونے والی دولت اور غذائی اشیا الگ ہیں ، ادیل کے تیل کے علاوہ لیبیا ، الجزائر ، نائجیریا اور زمبیا وغیرہ میں پٹرول کے چشمے ہیں

افریقہ رقبہ کے لحاظ سے ایشیا کے بعد دوسرا بڑا براعظم ہے اور ۱۹۷۶ء کی مردم شماری کے مطابق اسکے باشندوں کی تعداد ۴۰۰ ملیون ہے، ملکوں کی کثرت کی وجہ سے اقوام متحدہ میں سیاسی نمایندگی کے اعتبار سے بھی اس کا بڑا وزن ہے، اور جغرافیائی حیثیت سے بھی اس کی اہمیت ہے، اس بنا پر اسکے لیے اشتراکی اور مغربی مسیحی قوتوں کے درمیان کشمکش کا ہونا تعجب خیز نہیں۔

اشتراکی قوتیں افریقہ پر غالب آنے کیلئے اسلام سے اسلئے برسرپیکار ہیں کہ انکا خیال ہے کہ اسکی تعلیمات کے اندر اشتراکیت کے الحادی نظریات کے مقابلہ کی پوری صلاحیت وقوت موجود ہے، اسی لئے وہ مسلمانوں کو اپنے ان باطل افکار ونظریات کی طرف مائل کرنا چاہتی ہیں جنکا سرچشمہ روحانیت کے بجائے مادیت والحاد ہے کمیونسٹوں کا اصلی منصوبہ یہ ہے کہ وسط ایشیا کی طرح یہاں سے بھی اسلام کا اثر ونشان مٹا کر اسے سرخ اشتراکی پرچم کے نیچے کردیں تاکہ مارکس، لینن اور بلگانن کا مادی اشتراکی نظریہ یہاں کے مسلمانوں کا عقیدہ اور دستور حکومت بنجائے کیونکہ یہ اسلامی براعظم سمجھا جاتا ہے، ۱۹۷۶ء کی مردم شماری کے مطابق اسکے ۴۰۰ ملیون باشندوں میں ۲۵۰ ملیون مسلمان ہیں۔

روس، چین اور انکی حاشیہ بردار حکومتیں افریقہ میں اپنا تسلط واقتدار قائم کرنے کیلئے پوری تیاری اور قوت کے ساتھ میدان میں آگئی ہیں، اسی غرض سے انھوں نے یہاں کی آزادی پسند اور استعمار دشمن وطنی تحریکوں کی طرف رخ کیا ہے حالانکہ ان تحریکوں کو اگر قدیم استعمار سے چھٹکارا مل بھی جائے تو وہ اشتراکیت کی صورت میں ان سے بھی زیادہ خطرناک استعمار کا شکار ہوجائیں گی جس کے فوجی وسیاسی تسلط کی سخت گرفت قبائل اور حکومتوں کو بالکل ہی بے بس اور مجبور بنادیتی ہے۔

اس زمانہ میں دنیا کی سب سے خطرناک قوت اشتراکیت ہے، یہ دنیا کی تمام حکومتوں کو اپنے قبضہ میں کرکے ماسکو کے سامنے سرنگوں کرنا چاہتی ہے اور اسی کو ان کا پایہ تخت بنانا چاہتی ہے اس وقت افریقہ اسکا خاص نشانہ ہے، اس سے پہلے وہ مشرقی ایشیا میں ویٹنام اور کمبوڈیا کو اپنا شکار بنا چکی ہے،

اشتراکی قوتوں نے عرب واسرائیل کشمکش سے فائدہ اٹھا کر مصر جیسے اسلام کے مضبوط ومحفوظ قلعہ میں دخل اندازی کرنی چاہی تھی لیکن یہ منصوبہ ناکام ہوگیا، مگر اسکے بعد بھی اس نے ہار نہیں مانی اور اب وہ مشرقی افریقہ کی ایک حکومت میں اپنے قدم جمانا چاہتی ہے، اس علاقہ پر عالمی اشتراکی تحریک کی نظر اسلئے مرکوز ہوگئی ہے کہ یہ عالم السلام کے قلب یعنی دنیائے عرب سے بہت قریب ہے، یہاں اشتراکی انقلاب کے اثرات ظاہر ہوچکے ہیں، ایتھوپیا میں اسکے موافق نظام حکومت قائم ہوچکا ہے، صومالیہ اور تنزانیہ میں بھی اسکی لہریں چل رہی ہیں اور بحر احمر کے جنوبی مدخل میں اسکی فوجی تیاریاں مکمل ہوچکی ہیں، سوڈان کو اشتراکیت کے زیر اثر لانے کا منصوبہ بنایا جاچکا تھا مگر وہاں کی کمیونسٹ پارٹی ٹوٹ پھوٹ گئی حالانکہ اسے مشرقی افریقہ کی سب سے طاقتور کمیونسٹ پارٹی سمجھا جاتا تھا۔ موزمبیق پر اشتراکی اقتدار قائم ہوچکا ہے،

مغربی افریقہ میں بھی اشتراکیت کا عمل دخل شروع ہوچکا ہے، انگولا میں بائیں بازو کی کمیونسٹ پارٹیاں اپنا نظام حکومت قائم کرنے کیلئے وہاں کی آزادی پسند اپنی حلیف پارٹی کی مدد کررہی ہیں، وہ زائر کی حکومت کو بھی امداد دیکر وہاں کمیونسٹ نظام حکومت قائم کرنے کیلئے مداخلت کررہی ہیں، یہ افریقہ کی مالدار اور رقبہ کے لحاظ سے بھی ایک بڑی حکومت ہے کمیونسٹ مختلف افریقی حکومتوں کے درمیان اختلاف اور کشمکش بھی پیدا کررہے ہیں، اریٹیریا کے باغی انقلاب پسندوں سے جنگ کرنے کیلئے ایتھوپیا کی فوجی حکومت کو امداد پہنچا رہے ہیں، جنوبی مغربی افریقہ میں نامیبیا کی آزادی کی تحریک میں روس مداخلت کررہا ہے، چین تنزانیا اور اسکے قریب کی بعض افریقی حکومتوں میں اشتراکیت کی بنیادیں قائم کررہا ہے، لیبیا، روڈیشیا اور جنوبی افریقہ کو بھی وہ مالی اور فوجی امداد دے رہا ہے اور ایسے افراد کو تربیت دے رہا ہے جو مجاہدین کی صفوں میں داخل ہوکر تخریب کاری شروع کردیں تاکہ جب یہ ممالک آزاد ہوں تو ان کی باگ ڈور اس کے قبضہ میں رہے،

اشتراکی اپنے اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے افریقیوں میں استعمار کے خلاف نفرت واشتعال بھی پیدا کررہے ہیں، کمیونسٹ تحریکیں افریقیوں کا انتخاب کرکے انھیں تربیت دینے کے لیے ماسکو بھیجتی ہیں تاکہ یہ اپنے ملکوں کی قیادت کریں اور آیندہ کمیونسٹ نظام حکومت قائم کرنے کے لیے مفید ومعاون بنیں۔

روس اور چین کی طرح فرانس کے کمیونسٹ بھی اشتراکی افکار کی اشاعت کے لئے ان افریقی ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کی زبان فرانسیسی ہے، افریقہ کے مختلف شہروں میں اشتراکی پروپگنڈہ کے ثقافتی مرکز قائم ہوگئے ہیں، یہ کتابیں اور رسالے شائع کرکے تقسیم کرتے ہیں،

افریقیوں کی غربت وجہالت، بغاوت پسندی، استعمار دشمنی اور قبائلی وطبقاتی نظام کی وجہ سے بھی ان کی سرزمین اشتراکیوں کے لیے ہموار ہوگئی ہے، اس لئے کمیونزم کے الحادی اثرات برابر جڑ پکڑتے جارہے ہیں،

افریقہ میں عیسائی قوت دم توڑ رہی ہے، کروڑوں ڈالر خرچ کرنے، بیشمار تعلیمی اور فلاحی ادارے قائم کرنے اور متعدد معاشی منصوبے بنانے کے بعد بھی جب ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا کہ افریقہ تمام تر عیسائی علاقہ بن سکے بلکہ الٹے وہاں اسلام کی ترویج واشاعت ہورہی ہے اور افریقی حلقہ بگوشِ اسلام ہورہے ہیں، یہاں تک کہ امراء، رؤسا اور وزراء بھی اسلام قبول کرکے مسیحیت چھوڑ رہے ہیں تو اس سے گھبرا کر عیسائیوں نے بھی افریقہ میں کھلم کھلا یا پوشیدہ طور پر عالمی اشتراکی تحریک کے لئے راہ ہموار کرنا شروع کردیا، لیکن دنیا کے سامنے یہی ظاہر کررہے ہیں کہ وہ افریقہ میں اشتراکیت سے برسرپیکار ہیں،

بالآخر تمام تحریکوں کی طرح اشتراکیت کا انجام بھی افریقہ میں بے اثر ثابت ہوگا کیونکہ تمام افریقی قبائل کے نزدیک دین ہی سب سے قیمتی متاع ہے، کمیونسٹ اور دنیا کی اور دوسری تمام طاقتیں متحد ہوکر بھی نہ افریقہ کو اسلام سے منحرف کرسکتی ہیں اور نہ اسے اسلامی براعظم بننے سے روک سکتی ہیں، اس سے پہلے بھی اسلام کی راہ میں دشوار گذار گھاٹیاں حائل ہوتی رہی ہیں، مسلمانوں کو دین حق سے برگشتہ کرنے والے افکار ونظریات اٹھتے رہے ہیں، اور نہایت زبردست قوتیں اسلام سے جنگ کرتی رہی ہیں لیکن ان سب کو شکست فاش ہوئی، گذشتہ دور کی طرح آج بھی ہم اسلام ہی کے ذریعہ فتح ونصرت حاصل کریں گے، اسلام کا نور دنیا سے کبھی مٹ نہیں سکتا، اس لئے افریقہ میں تمام اشتراکی سرگرمیوں کے بعد بھی اسلام باقی رہے گا، اور اس کے ماننے والوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوگا، اور اشتراکیت کو یہاں سے

ناکام ہوکر الٹے پاؤں لوٹ جانا پڑے گا۔

البتہ افریقہ میں اشتراکیت کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے پیش نظر یہاں اسلامی دعوت وتبلیغ کے نظام کو بہت مستحکم اور منظم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلام کے دشمنوں کے ارادے خاک میں مل جائیں، نوجوانوں پر خاص طور سے دھیان دینا چاہئے، یہی مستقبل کا سرمایہ اور اثاثہ ہیں، مگر یہی آسانی سے اشتراکی جال میں گرفتار بھی ہوسکتے ہیں کیونکہ اشتراکیت ہمیشہ نوجوانوں ہی میں پھلتی اور پھولتی ہے،

منظم اسلامی دعوت وتبلیغ ہی کے ذریعہ اشتراکیت کی ذلت وخواری کا سامان مہیا کیا جاسکتا ہے جو افریقیوں پر اپنا تسلط جما کر ان کو اسی طرح غلام بنانا چاہتی ہے جس طرح اس سے پہلے سفید فام لوگوں نے ان کو غلام بنایا تھا،

جب اشتراکیت وسیع اسلامی دنیا سے ایک ایسی اسلامی سلطنت کو کاٹ کر اپنے حیطۂ اقتدار میں کرسکتی ہے جو امت کے برگزیدہ افراد اور علماء وفضلا کا گہوارہ رہی ہے اور جس کی خاک سے علوم حدیث وتفسیر میں امام بخاریؒ اور ریاضیات میں خوارزمی اور بیرونی جیسے اصحاب کمال پیدا ہوچکے ہیں، اسی طرح جب وہ دنیا کی مختلف اسلامی آبادیوں کے ۸ ملیون سے زیادہ لوگوں کا رشتہ انکے مسلمان بھائیوں سے کاٹ سکتی ہے اور اشتراکی چین اپنی سرزمین کے ۰ ملیون سے زیادہ مسلمانوں کا تعلق انکے مسلمان بھائیوں سے ختم کرسکتا ہے اور جنوبی مشرقی ایشیا میں اسلام سے جنگ کرنے کیلئے جدوجہد کرسکتا ہے تو کیا ایسی صورت میں اسلامی سلطنتوں اور عرب حکومتوں کو افریقہ کی سرزمین پر ہونے والے واقعات کے مقابلہ میں چپ چاپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہنا چاہئے، اگر وہ خاموش رہے تو اشتراکیت مشرقی ایشیا اور مغربی افریقہ پر چھا جائے گی اور دنیائے اسلام کے قلب یعنی عالم عربی کو بھی بقیہ اسلامی ملکوں سے الگ تھلگ کردے گی،

رابطۂ عالم اسلامی (مکہ) ادارۂ بحوث اسلامیہ (قاہرہ) ادارۂ جامع ازہر جمعیۃ دعوت اسلامی (لیبیا) ادارۂ تحفظ قرآن (تیونس)، رابطۂ علماء (مغرب)، اور خود افریقی ملکوں کی وزارت اوقاف اور ادارۂ امور اسلامی وغیرہ جو کچھ جدوجہد کررہا ہیں، ان سے نہ وہ کمیونزم کے چیلنج کو روک سکتی ہیں اور نہ ان جگہوں سے اسکو ختم کرسکتی ہیں جہاں وہ پھیل رہا ہے۔

یہ ساری جد و جہد متحدہ طور پر ایک اسلامی مرکز کے ماتحت ہونی چاہئے اور جن حوادث کا ذکر ہوا انکی کوششیں انفرادی اور اپنے اپنے دائرہ میں ہو رہی ہیں، کسی کا ایک دوسرے سے نہ معمولی واسطہ اور رابطہ ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی ہم آہنگی اور اشتراک کچھ اسلامی مکاتب اور عربی زبان کی تعلیم کے مدارس کھول دینے یا افریقی ملکوں کے کسی پایہ تخت میں مسجد تعمیر کر دینے سے اس خطرہ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جو افریقہ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے،

مبلغین کو اسلام کا پیغام اور عربی ثقافت و تہذیب کو افریقہ کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کیلئے بڑے بڑے شہروں سے لیکر معمولی معمولی دیہاتوں بلکہ جنگلوں اور جھاڑیوں میں پہنچنے کی ضرورت ہے، اور تمام اسلامی اور عربی حکومتوں مسلم جماعتوں اور افراد کو اسوقت افریقہ کے مسئلہ پر توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اشتراکی خطرہ سے باہر آسکے۔

جن حکومتوں کو اللہ نے پٹرول کی دولت سے نوازا ہے انکو اپنی سالانہ آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ افریقہ میں دعوت اسلامی کے مقدس کام کیلئے وقف کر دینا چاہئے، ابھی تک جو کچھ مالی انتظام کیا گیا ہے وہ کمیونزم کے خطرہ کے مقابلہ کیلئے کافی نہیں ہے،

اسلام کو افریقہ میں اشتراکی قوت کے مقابلہ کیلئے ایک بڑی طاقت بن کر ظاہر ہونا چاہئے تاکہ افریقہ سے اشتراکیت کا استیصال ہو جائے، یہ کام وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو دین کے حامل، اسلامی عقائد میں راسخ، افریقی قبائل کی تاریخ، انکی زبان، لہجے، رسوم اور عادات وغیرہ سے واقف ہوں،

مسلمان مبلغوں کو افریقہ میں جنگ کرنے والوں کی صفوں میں داخل ہو کر کام کرنا چاہئے کیونکہ جو لوگ کسی خاص مقصد کی خاطر جنگ کر رہے ہوں اگر انکے اندر دینی شعور بیدار ہو جائے اور وہ اسلامی عقیدہ میں راسخ ہو جائیں تو انکو شکست سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا، کیونکہ عقیدہ کی خاطر لڑی جانے والی جنگ کا انجام فتح و کامرانی ہے،

ماضی میں مسلمانوں کی غفلت نے یورپ، ایشیا اور دنیا کے دوسرے خطوں کی ایسی زمینیں گنوائی ہیں جو کبھی اسلامی علوم و فنون کا مخزن اور دینی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہی ہیں، آج افریقہ کے اشتراکیت کے گود میں چلے جانے کا خطرہ اور اندیشہ لاحق ہے اسلئے مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کو بیدار ہو جانا اور اپنے افریقی بھائیوں کی مدد کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہئے۔

(تلخیص، از الوعی الاسلامی کویت، جنوری ۱۹۸۱ء)

مطبوعات جدیدہ

فقہ الزکوٰۃ :- مرتبہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی ترجمہ و تلخیص جناب شمس پیرزادہ صاحب تقطیع متوسط، کاغذ کتابت عمدہ صفحات .. تقریباً قیمت ۲۵ روپیہ، پتہ ادارہ دعوۃ القرآن ۵۹۔ محمد علی روڈ، بمبئی۔

زکوٰۃ اسلام کا بنیادی رکن ہے، اس کتاب میں اس کی حقیقت و روح کے علاوہ اس کے قدیم اور بعض نئے مسائل پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے، اسکے مصنف ڈاکٹر یوسف القرضاوی جامع ازہر کے فاضل قطر یونیورسٹی میں شعبۂ قانون کے صدر اور عربی زبان کے نامور مصنف اور خطیب ہیں، انھوں نے متعدد علمی، دینی اور فقہی مسائل پر ایک درجن سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں، غالباً ان میں فقہ الزکوٰۃ سب سے اہم اور مفید ہے، یہ کتاب نو ابواب کا مجموعہ ہے، ہر باب کے اندر کئی کئی مباحث اور فصلیں ہیں، پہلے باب میں زکوٰۃ کی فرضیت اور اسلام میں اس کی عظمت و اہمیت کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں بہت اجمال کے ساتھ اسلام سے پہلے غریب اور کمزور طبقہ کی حالت بیان کی گئی ہے، اور غریبوں کے بارہ میں قدیم مذاہب اور ان کے مقابلہ میں اسلام کی امتیازی رعایت کا تذکرہ ہے، پھر مکی دور میں انفاق کی تلقین اور مدنی دور میں اس کی فرضیت کا ذکر ہے، نیز زکوٰۃ کے مانعین و منکرین کی دنیوی و اخروی سزا کا بیان ہے، دوسرے باب میں جن لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہے اور جن پر نہیں فرض ہے دونوں کے بارہ میں فقہا کے اختلافات کی تفصیل درج ہے، تیسرا باب کئی فصلوں پر مشتمل ہے، اس میں اس مال کا ذکر ہے جس پر زکوٰۃ فرض یا نہیں فرض ہے، نیز اسکے مقدار نصاب

وغیرہ کی تعیین کی گئی ہے، جیسے موقوفہ اراضی، حرام مال، قرض، بونس، پراوڈنٹ فنڈ، مویشیوں، سونے چاندی، نقدی وکاغذی سکوں، زیور، تجارتی مال، زرعی پیداوار، شہد، حیوانی پیداوار یعنی ریشم اور دودھ، معدنیات، سمندر سے حاصل ہونے والی چیزیں موجودہ ذرائع آمدنی کرایہ کے مکانوں، سواریوں، کارخانوں، کمپنیوں کے حصے بانڈ اور عشری وخراجی زمینوں کی زکوٰۃ پر سیر حاصل بحث ہے، چوتھے باب میں زکوٰۃ کے آٹھ قرآنی مصارف کی وضاحت کی ہے۔

پانچویں باب میں زکوٰۃ ادا کرنے کے طریقہ کے سلسلہ میں حکومت سے اس کے تعلق اور اس کے لئے بیت المال کے قیام کی ضرورت واضح کی ہے، اور اموال ظاہرہ وباطنہ کی زکوٰۃ کے فرق ویکسانی، زکوٰۃ میں نیت اور چیزوں کے بجائے ان کی قیمت ادا کرنے وغیرہ کا بیان ہے، چھٹے باب میں زکوٰۃ کے فائدے اور انفرادی واجتماعی زندگی پر اس کے اثرات دکھائے ہیں، اسی طرح صدقۂ فطر کے وجوب، احکام اور حکمتوں کا ایک مستقل باب میں ذکر ہے، آخری باب میں زکوٰۃ اور ٹیکس کی حقیقت بتائی گئی ہے، اور دونوں کی مشترک اور مختلف خصوصیات اور نوعیتیں دکھائی گئی ہیں، اس میں یہ بحث بھی ہے کہ زکوٰۃ کے باوجود اسلامی حکومت ٹیکس عائد کر سکتی ہے، اور ٹیکس کے بعد بھی زکوٰۃ کی ضرورت باقی رہتی ہے، آخر میں زکوٰۃ کو موجودہ دور کی ایک اہم ضرورت اور مفید اسکیم ثابت کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں مسلم اصحابِ فکر کے علاوہ بعض غیر مسلموں کا نقطۂ نظر بھی پیش کیا ہے، شروع میں زکوٰۃ اور صدقہ کے لغوی وشرعی معنی کی تشریح کی گئی ہے، سب سے آخر میں مختلف اشیاء کے نصاب اور عہد نبوی میں رائج اوزان اور پیمانوں کی مقدار موجودہ اوزان کے لحاظ سے بتائی گئی ہے، مصنف نے ہر بحث کو قرآن وحدیث کے نصوص اور فقہا کے اقوال کی روشنی میں دلائل کے ساتھ لکھا ہے، اور قدیم مسائل میں فقہا کے اختلافات مع دلائل تحریر کئے ہیں، اور آخر میں ان کے بارے میں اپنی ترجیح ومحاکمہ بھی نقل کیا ہے، اس سے ان کی مجتہدانہ بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے،

. . . . جن قدیم مسائل میں اب وسعت پیدا ہوگئی ہے ان کو اور بعض نئے مسائل پر بھی انھوں نے مدلل گفتگو کی ہے، اس طرح کے مسائل میں گو کہیں کہیں مصنف کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر اس سے کتاب کی قدر وقیمت میں کوئی فرق نہیں آتا، ابھی تک اردو میں زکوٰۃ پر ایسی مفید اور جامع کتاب موجود نہیں تھی، اس لئے جناب شمس پیرزادہ نے اس کی یہ تلخیص شائع کی، تلخیص میں نہ کوئی ضروری اور اہم پہلو چھوٹنے سے رہ گیا ہے اور نہ کتاب کے تسلسل اور روانی میں فرق آیا ہے، ترجمہ بھی سلیس اور شگفتہ ہے مگر بعض جگہ اردو اور ہندی لفظوں کی جمع عربی قاعدہ کے مطابق لکھی گئی ہے جیسے زمینیات (ص ۲۳۳) "اگرچہ کہ" کا استعمال عموماً صحیح نہیں ہوا ہے۔

قصر علم :- مرتبہ، جناب شوکت علی خان صاحب، سائز، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۳۱۲ مجلد مع خوبصورت گرد پوش، قیمت درج نہیں، پتہ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان، ٹونک،

راجستھان میں ٹونک ایک بڑا علمی مرکز تھا، اس ریاست کے فرمانرواؤں کے علمی ذوق کی بدولت یہاں چھوٹے بڑے متعدد کتب خانے قائم ہوئے، لیکن ریاست ہی کی طرح اس کی قدیم علمی یادگاریں اب مٹ چکی ہیں، تاہم کتب خانے موجود رہ گئے تھے، مگر وہ بھی ناقدری کا شکار ہو کر تلف اور برباد ہو رہے تھے، اس لئے وہاں کے علم دوست حضرات کی کوششوں سے چند برس قبل راجستھان کی صوبائی حکومت کو ان علمی خزانوں کی حفاظت کا خیال ہوا، اور اس نے عربی فارسی ریسرچ ڈائرکٹریٹ قائم کر کے ٹونک اور راجستھان کے تمام کتب خانوں کی عربی وفارسی کتابیں اس میں منتقل کرادیں، اور صاحبزادہ شوکت علی خان کو اس کا ڈائرکٹر مقرر کیا، جو اپنے علمی ذوق اور ٹونک کے کتبخانہ سے دیرینہ تعلق کی بنا پر واقعی اس کے مستحق تھے، اب ان کی نگرانی میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے مختلف شعبوں کا قیام عمل میں آیا ہے، اور شعبۂ تصنیف وتالیف کی طرف سے یہ پہلی کتاب شائع ہوئی ہے،

جو کتب خانہ کی تاریخ اور اس کے نوادر و مخطوطات کے علاوہ ریاست کے دوسرے کتب خانوں کے بارہ میں مضامین کا مجموعہ ہے، اکثر مضامین خود فاضل مرتب اور ٹونک کے ایک دوسرے فاضل مولوی حکیم محمد عمران خاں صاحب کے قلم سے ہیں، اور پہلے معارف وغیرہ رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں، ان سے ٹونک اور راجستھان کے متعدد کتب خانوں اور ان کے اہم مخطوطات کے متعلق ضروری معلومات حاصل ہوتے ہیں، اس طرح یہ مجموعہ علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے مفید ہے، لیکن فاضل مرتب کے مضامین میں عموماً کتابوں کے مصنفین کے سنینِ وفات کا ذکر نہیں ہے اور بعض کتابوں کے مندرجات کا خلاصہ بھی نہیں دیا گیا ہے، حالانکہ ان کے بغیر مخطوطات کے تعارف میں کمی رہ جاتی ہے، وہ ایک جگہ مشہور مورخ اور سیاح مسعودی کے متعلق لکھتے ہیں، "ہندوستان آنا تو یہاں کی کتب سے بھی ثابت ہوتا ہے، آخر عمر میں یہیں قیام پذیر ہو گئے تھے (ص ۱۴۵) یہ درست نہیں ہے آخر عمر میں مصر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور فسطاط میں انتقال ہوا جیسا کہ خود مقالہ نگار نے بھی لکھا ہے، قصائد حسن غزنوی کے ایک نسخہ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ اول صفحہ پر ایک مہر مختار خان حسینی سبزواری کی ثبت ہے، جو شاہجہانی امرا میں سے تھے اسی لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ نسخہ شاہجہانی دور سے قبل کا ہے (ص۸۰) حالانکہ شاہجہانی امیر کی مہر ثبت ہونے کی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسی دور کا ہے نہ کہ اس سے قبل کا جیسا کہ خود انھوں نے بھی ص۹ پر یہی لکھا ہے "شاہجہاں کے عہد زریں کی یادگار ہے" (ص۵) پر مرآت آفتاب نما کو مرآت آفتاب نامہ لکھا ہے،

مکتوبات ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی: مرتبہ جناب مولوی عبدالرحمن ناصر صاحب اصلاحی جامعی تقطیع متوسط کاغذ کتابت و طباعت اچھی صفحات ۷۰، قیمت للعہ پیسے (۱) دائرہ حمیدیہ مدرستہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ (۲) کاشانۂ ناصر سیدھا سلطان پور، مینا پارہ، اعظم گڈھ، یو۔ پی۔

یہ اردو کے جوان مرگ ادیب و نقاد ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی مرحوم کی طالب علمی کے زمانہ کے چند خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے ایک عزیز ہم وطن مولوی عبدالرحمن ناصر اصلاحی کو لکھے تھے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کی طرح ان سے اس ادبی و علمی ذوق اور شوق مطالعہ کا پتہ چلتا ہے جو مکتوب نگار کو شروع ہی سے تھا، یہ سب خطوط بے تکلفی سے لکھے گئے تھے اسلئے ان میں بے ساختگی ہے، ان سے خلیل مرحوم پر کام کرنے والوں کو مدد ملے گی، مکتوب الیہ مرتب نے شروع میں مرحوم کے مختصر حالات اور خطوط پر توضیحی حاشیے بھی لکھے ہیں جو ان کی سلیقہ مندی کا ثبوت ہیں۔

"ض"

جلد ۱۲۷ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ مطابق مارچ ۱۹۸۱ء عدد ۳

مضامین

مقالات

وفیات